جنوبی ایشیائی بحران

رجحانات اور متوقع نتائج

تالیف: مائیکل کریہان اور نیٹ کوہن

ترجمہ: محمد صفدر سحر

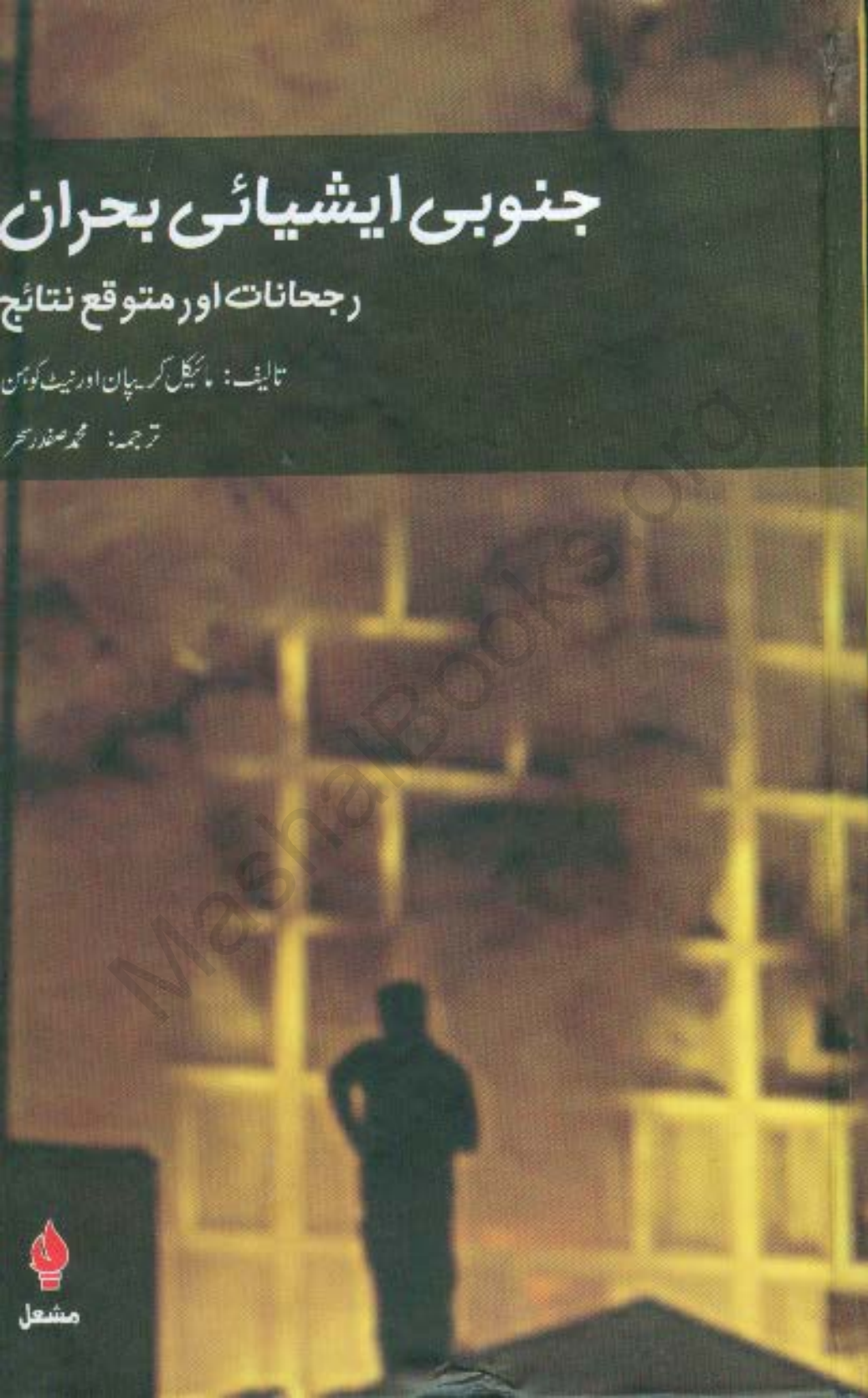

مشعل

1

جنوبی ایشیائی بحران

رجحانات اور متوقع نتائج

تالیف: مائیکل کریپان، نیٹ کوہن
ترجمہ: محمد صفدر سحر

مشعل
آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

2

جنوبی ایشیائی بحران

رجحانات اور متوقع نتائج

تالیف: مائیکل کریپان، نیٹ کوہن

ترجمہ: محمد صفدر سحر

کاپی رائٹ اردو © مشعل بکس 2013

کاپی رائٹ انگریزی ©2011 دی ہنری ایل۔ سٹمسن سنٹر

ناشر: مشعل بکس

آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور 54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

فہرست مضامین

پیش لفظ 5

جنوبی ایشیائی بحران: رجحانات اور متوقع نتائج 7
مائیکل کریپان

ضمیمہ نمبر 1

جنوبی ایشیائی بحرانوں کی ساخت: براس ٹیک سے ممبئی تک 49
سیموئیل بلیک

ضمیمہ نمبر 2

پاک بھارت سفارت کاری کی راہ میں حائل ہلاکت خیز حملے اور دیگر عناصر 93
نیتھن کوہن

ضمیمہ نمبر 3

بھارت میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے (2002-1) 105
نیتھن کوہن اور ولیم شمر

ضمیمہ نمبر 4

پاکستان میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے 117
نیتھن کوہن

ضمیمہ نمبر 5

جنوبی ایشیائی بحرانوں میں چین کا کردار 145
ولیم شمر

ضمیمہ نمبر 6

MashalBooks.org

10 ملک جو 2007 کے بعد وسیع پیمانے پر ہونے والے دہشت گرد
حملوں میں سب سے زیادہ متاثر ہوئے 155
نیتھن کوہن

شریک مصنفین 157
حواشی 159

MashalBooks.org

پیش لفظ

جوہری ہتھیاروں کی صلاحیت حاصل کیے بیس سال گزر گئے مگر پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات ابھی تک کشیدہ ہی ہیں۔ بلکہ جوہری ہتھیاروں کی دریافت نے بحران انگیز رویوں کو مزید انگیخت کیا ہے۔ خاص طور پر پاکستان کے فوجی اور خفیہ اداروں کا بھارت کی طرف رویہ اس امر کی واضح عکاسی کرتا ہے۔اس کے برعکس یہ امر بھی ایک حقیقت کے طور پر موجود ہے کہ جوہری ہتھیاروں کی موجودگی، بحرانوں کو روکنے کا بھی سبب بنی ہے۔ کیونکہ جوہری صلاحیت کے حصول کے بعد دونوں ملکوں کے مابین نہ تو ابھی تک کوئی فل سکیل روایتی جنگ ہوئی ہے اور نہ ہی کبھی جوہری حد پار کی گئی ہے۔ بیس سال سے سٹمسن سینٹر پاکستان اور بھارت کے درمیان تنازعات کے حوالے سے امکانات کا جائزہ لے رہا ہے اور دونوں ممالک میں قومی سلامتی کے مفکرین اور فعال حکومتی اہل کاروں کے ساتھ رابطے میں ہے تاکہ اعتماد سازی اور ایٹمی خطرے میں کمی کے اقدامات کے ذریعے دونوں ملکوں کے مابین موجود تنازعات کو کم کر سکے۔

یہ نئی رپورٹ سٹیمسن سنٹر کی مطبوعات کے اسی سلسلے کی کڑی ہے۔اس میں 1986-87 کے براس ٹیک بحران، 1990 کے بحران، 1999 میں کارگل کی چوٹیوں پر ہونے والی محدود جنگ، 2001-02 کے جڑواں چوٹیوں (کیونکہ اس بحران کے دوران پاک بھارت تنازعہ دو بار عروج کی چوٹیوں پر پہنچا اس لیے اس بحران کو جڑواں چوٹیوں کا بحران کہا جاتا ہے: مترجم) کے بحران اور 2008 کے ممبئی حملوں کے بعد پیدا ہونے والے بحران کے حوالے سے جنوبی ایشیا میں ہونے والی سفارت کاری اور بحرانوں کے دیگر حوالوں سے بعض نئے گوشوں کی

MashalBooks.org

رونمائی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مائیکل کریپان سٹمسن سنٹر کے شریک بانی اور سنٹر کے جنوبی ایشیائی پروگرام کے ڈائریکٹر ہیں، انہوں نے اس کتاب میں بحرانوں کے ان سلسلوں کے رجحانات اور نتائج کو درج ذیل عنوانات کے تحت بحث کا موضوع بنایا ہے۔

- ان بحرانوں کے دو اہم فریقوں کو ان بحرانوں سے کیا ملا؟
- کیا بحرانی ادوار کے دوران جو سبق دونوں ملکوں کو حاصل ہوا، وہ ان کے مستقبل کے رویوں پر اثر انداز ہوا؟
- امریکی پالیسی ساز پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں سے مختلف نوعیت کے تعلقات ہونے کے باوجود خطے میں استحکام کے لیے اپنا حصہ کیسے ڈال سکتے ہیں؟

ہمیں امید ہے کہ قارئین مائیکل کریپان کے تجزیوں، تخمینوں اور ضمیمہ جات میں دیے گئے اضافی مواد کو مفید پائیں گے۔ ہم اس اہم تصنیف کی اشاعت میں جان ڈی اور کیتھرائن ٹی میکارتھر فاؤنڈیشن اور نیشنل نیوکلیئر سکیورٹی ایڈمنسٹریشن کے گراں قدر تعاون کے حوالے سے ان کے شکر گزار ہیں۔

Ellen Laipson
صدر و چیف ایگزیکٹو آفیسر
دی سٹمسن سنٹر

MashalBooks.org

جنوبی ایشیائی بحران..... رجحانات اور متوقع نتائج

مائیکل کریپان[1]

ریمنڈ ایرن نے بجا کہا تھا کہ اب ایٹمی صلاحیت کے حامل ملکوں کے مابین جنگوں کی جگہ بحرانوں نے لے لی ہے۔ جنوبی ایشیا کے حوالے سے تو یہ اصول کاملا لاگو ہوتا نظر آتا ہے جہاں پاکستان اور بھارت دو بحرانوں کا تجربہ اپنے خفیہ ایٹمی پروگراموں کے دوران کر چکے ہیں جبکہ تین بحران زیر زمین ایٹمی تجربات کے بعد رونما ہوئے۔[2] ان میں سے ایک بحران تو جنگ تک بھی پہنچ گیا ..... اگرچہ یہ جنگ شدت، دورانیے اور جغرافیائی وسعت کے لحاظ سے محدود رہی تھی۔

بحرانوں کے اس سلسلے کا آخری بڑا بحران نومبر2008ء کے ممبئی حملے سے شروع ہوا، جس میں بڑے پیمانے پر انسانی جانوں کا زیاں ہوا.....ان حملوں میں حملہ آوروں نے دو پرتعیش ہوٹلوں اور سنٹرل ٹرین ٹرمینلز کو نشانہ بنایا۔ ممبئی پر حملہ کرنے والے، ان کو مسلح کرنے والے اور انسے کام لینے والے (Handlers) ہاتھوں کا تعلق پاکستان سے تھا۔ حملہ آوروں کا تعلق انتہا پسند تنظیم لشکر طیبہ سے تھا جس کے پاکستان کے فوجی اور انٹیلی جنس حلقوں سے روابط ہیں۔ ممبئی حملوں کے ردعمل میں بھارتی حکومت نے فوری طور پر لشکر طیبہ یا پاکستان کی حدود میں حملے نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قبل ازیں2001 میں بھی ایسی ہی صورت حال اس وقت پیدا ہوئی تھی جب بھارت کی پارلیمنٹ اور اس کے اندر موجود لوگوں پر حملے کے بعد دلی میں موجود اتحادی حکومت نے اقدام نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جن لوگوں نے بھارتی پارلیمنٹ پر

MashalBooks.org

حملہ کیا تھا ان کے بارے میں وسیع پیمانے پر یہ تاثر موجود ہے کہ ان کا تعلق ایک اور انتہا پسند گروپ جیش محمد سے تھا اور اس گروپ کے بھی پاکستان کے فوجی حلقوں سے گہرے روابط موجود ہیں۔

پاکستانی شہریوں کی جانب سے بھارتی اہداف پر لگاتار ہونے والے حملوں نے یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ کب تک نئی دلی ان کے حوالے سے تحمل سے کام لے گا اور اگر مستقبل میں بھی پاکستانی شہریوں کی جانب سے اس طرح کے وسیع پیمانے پر ہلاکت خیز حملے (mass-casualty attacks) ہوتے ہیں تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ اس مضمون میں یہ تخمینہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ 7-1986 کے براس ٹیک کرائسس سے 2008 کے ممبئی بحران تک ہونے والے بحرانوں کا ارتقا کیسے ہوا؟ کیا تبدیلیاں آئیں؟ کرائسس منیجمنٹ کے حوالے سے ان بحرانوں کے مضمرات کیا ہیں؟ اور ان بحرانوں کے باعث بڑے پیمانے پر ہونے والی جنگی فوجی سرگرمی کو کیسے قابو میں رکھا جا سکتا ہے؟

استحکام ۔عدم استحکام دعوی (پیراڈاکس)

شدید بحرانی کیفیات میں ایٹمی ہتھیاروں کے حامل ملکوں کو کچھ ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ ایسے ملک جنہیں اپنی سکیورٹی کے حوالے سے خدشات درپیش ہوں، جیسا کہ پاکستان اور بھارت .....ایٹمی صلاحیت ان کے خدشات کو مدہم رکھتی ہے۔ ماہرین سیاسیات ایسی صورت حال یا اس مظہر کو استحکام، عدم استحکام پیراڈاکس[3] (متضاد دعوی) کا نام دیتے ہیں۔ عمومی اصطلاح میں اس مظہر سے مراد اس امر کو یقینی بنانا ہے کہ فیصلہ سازی کے دوران فیصلہ ساز متنبہ رہیں اور ان حدوں کا خیال رکھیں جو ایٹمی جنگ چھڑنے کا باعث بن سکتی ہیں۔ احساس تحفظ کے ساتھ ایٹمی صلاحیت کی حامل ریاست اگر مخالف ملک سے شدید زود رنج ہو تو وہ خطرہ مول لینے کا رویہ بھی یہ سوچ کر اختیار کر سکتی ہے کہ اس کا ایٹم بم اس کے لیے فوجی برتری کے حوالے سے انشورنس پالیسی کے طور پر کام کرے گا۔[4]

افغانستان سے روسی افواج کی واپسی اور ایٹمی صلاحیت کے حصول کے بعد پاکستانی افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ثابت کیا کہ بھارت کو کمزور اور کشمیر پر اس کے پکڑ کو کمزور کرنے کے لیے وہ رسک لینے کو تیار ہیں۔ جب تک افغانستان کے ساتھ موجود پاکستانی بارڈر حد

سے بڑھی تشویش کی آماجگاہ نہیں بنا تھا، استحکام ،عدم استحکام پیراڈاکس کا محوری نقطہ دونوں طرف کے کشمیر کی سرحدتھا..... جسے اسلام آباد کی لغت میں جوہری فلیش پوائنٹ کہا جاتا ہے.....اور جہاں موجود پاکستان کی سکیورٹی انتظامیہ'ڈیٹرنس عدم استحکام' کو مطلوب سیاسی نتائج کے حصول کے لیے وجہ برتری کے طور پر استعمال کرتی تھی۔[5]

V.R.Raghavan کہتے ہیں:

''پاکستان کو یہ یقین ہے کہ ایٹمی اسلحے نے بھارت کو شدید ردعمل سے روک رکھا ہے.....اسی بنیاد پر وہ جموں وکشمیر میں تنازع کو عروج کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف بھارت کو یہ یقین ہے کہ پاکستان کی جوہری صلاحیت کے باوجود اس سے محدود جنگ لڑی اور جیتی بھی جاسکتی ہے.....اس امتزاج کو کم سے کم سنجیدہ سطح پر بھی دیکھا جائے تو امکانی طور پر یہ خطرناک صورت حال ہے۔''[6]

Ashley Tellis اس صورت حال کو''بدنما استحکام'' کا نام دیتا ہے.....ایسی صورت حال جو کسی بھی وقت جوہری بحران پیدا کرسکتی ہے۔[7]

پہلا بحران برصغیر میں ایٹمی ہتھیاروں کی متوقع آمد کے مسئلے سے نمٹنے کے حوالے سے شروع ہوا۔ آغاز ان مہم جو اور کئی مرحلوں پر مشتمل بھارتی فوجی مشقوں سے ہوا جسے براس ٹیک آپریشن(1986-87) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[8]۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بھارتی چیف آف آرمی سٹاف کے سندر جی پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری سے قبل ملک کو فیصلہ کن شکست دینے کا منصوبہ رکھتا تھا[9]۔ سندر جی کے جو بھی مذموم عزائم تھے مگر آپریشن براس ٹیک کا نتیجہ جنگ کی صورت میں نہ نکلا۔ اس بحران نے پاکستان ملٹری کے قائدین کے فعال جوہری صلاحیت کے حصول کے عزم کو اور مصمم کر دیا اور یوں کچھ ہی عرصہ بعد پاکستان نے یہ صلاحیت حاصل بھی کرلی۔ بھارت نے بھی پاکستان کی پیروی کی۔

اگلے چار بحرانوں کے فعال عاملین کا تعلق پاکستان سے تھا، جسکی نیشنل سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ سٹیٹس کو سے سب سے زیادہ غیر مطمئن اور برصغیر میں موجود رجحانات سے غصے میں تھی۔ 1990 میں بھارتی ریاست جموں وکشمیر سلگتے ہوئے مسئلے کا روپ اختیار کر گئی جس کی وجہ ریاست میں موجود بھارتی اتھارٹیز کی بدعنوانیاں اور پاکستان کی جانب سے مسلح، تربیت یافتہ اور مالی امداد دیے گئے عسکریت پسند بنے۔ پاکستان کے مہم جو مزاج چیف آف آرمی سٹاف

جنرل مرزا اسلم بیگ کی طرف سے بڑے پیمانے پر فوجی مشقوں کے اعلان کے جواب میں بھارت نے بھی ایسی ہی مشقیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے پہلے سے ہی بدتر صورت حال بدترین ہوگئی[10] ۔ بحرانوں کا سلسلہ جاری رہا۔1999 میں پاکستان کی ناردرن لائٹ انفینٹری نے کارگل سے اوپر موجود چوٹیوں پر قبضہ کر لیا..... محدود پیمانے پر ایک جنگ میں پاکستانی فوج پسپا ہوئی اور سٹیٹس کو کی صورت حال پھر بحال ہوگئی[11] ۔ بعد ازاں 02-2001 میں پاکستان اور بھارت جڑواں چوٹیوں کرائسس (Twin peak Crisis) کے دوران اپنی 10 لاکھ افواج کو حرکت میں لے آئے۔ یہ بحران بھارتی پارلیمنٹ پر کیے گئے ان حملوں سے شروع ہوا جس میں حملہ آوروں کا تعلق پاکستان سے تھا، غالبا جیش محمد سے.....[12] اگلا بحران 2008ء کے ان ممبئی حملوں سے شروع ہوا جس میں لشکر طیبہ کے عسکریت پسندوں نے ممبئی کے روایتی اہداف کو نشانہ بنایا، یہ حملہ آور بھی پاکستان میں ٹرین کئے گئے تھے اور انہیں اسلحہ اور رقم بھی وہیں سے ملی تھی[13] ۔

جنوبی ایشیا ہمیشہ بحرانوں کی آماجگاہ رہا ہے کیونکہ یہاں کام بگاڑنے والے (spoilers)، خاص طور پر پاکستان میں، کافی زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ جب دونوں ملکوں کے قومی لیڈر بہتر تعلقات کی تعمیر کے لیے ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی وقت کوئی ہائی پروفائل یا بڑا ہلاکت خیز حملہ ہو جاتا ہے (دیکھیے ضمیمہ نمبر2)۔ جوہری صلاحیتوں کے حامل چین اور بھارت کے مابین بھی متنازعہ سرحد موجود ہے جس پر 1962 میں دونوں ملکوں کے درمیان ایک سرحدی جھڑپ بھی ہو چکی ہے[14] ۔ مگر 1962 کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان کوئی بڑے پیمانے کا بحران پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی بجائے ایشیا کے ان دو بڑے ملکوں نے تنازعات سے بچنے کی کوشش کی اور اپنی معیشتوں کو پھیلایا..... اور باہمی تجارت کے حجم کو بھی بڑھایا۔ ایس پال کپور پاکستان کے ''تبدیلی کے متمنی'' رویے کو وہ اہم عامل قرار دیتا ہے جو پاکستان کو بحران پیدا کرنے والا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے[15] ۔ بھارت چین کے آپسی تعلقات میں مقابلے بازی اور عناد کی کم تر سطح وہ وجہ ہے، جو بحران پیدا کرنے یا خطرہ مول لینے والے رویے کا باعث نہیں بنی..... وہ رویہ جو استحکام عدم استحکام پیراڈاکس کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

اس کے مقابلے میں پاکستان اور بھارت کا معاملہ یہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ آگ سے کھیلتے رہے

ہیں۔1990اور کارگل بحرانوں کی مرکزی وجہ منقسم کشمیر کا علاقہ تھا جس کے بارے میں دونوں ملکوں کے لیڈروں نے..... سٹیفن فلپ کوہن کے نزدیک ''یہ رویہ اپنا لیا کہ وہ اسے اپنی شناخت کا مسئلہ بنا بیٹھے اور دونوں نے ہی کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دے دیا، جسکی وجہ سے زیادہ اور شدید نوعیت کے خطرات پیدا ہوئے''.....(16) کشمیر ہمہ مذہبی اور کثیر النسلی بھارت کی سیکولر شبیہ کے لیے ناگزیر ہوگیا تو پاکستان کے قیام کا مقصد اس سے جڑ گیا جس کے مطابق ملک کو برصغیر کے مسلمانوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ بننا تھا۔(17)

جوہری صلاحیت اور کشمیر میں موجود پاکستان کے حامیوں کی موجودگی نے راولپنڈی میں اس امید کو جنم دیا کہ نئی دلی کشمیر میں سٹیٹس کو تبدیل کرنے پر تیار ہو جائے گا یعنی سری نگر کے ارد گرد موجود مسلم اکثریتی علاقوں کو پاکستان سے الحاق کرنے پر تیار ہو جائے گا۔ اور اگر بھارت ایسا نہ کرے گا تو کشمیر میں موجود پاکستان کے حمایتی وہاں تعینات بھارتی افواج کی بڑی تعداد کو زچ کر کے اپنے پرانے بدلے چکا سکیں گے، خاص طور پر1971 میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے نقصان کی تلافی ہو سکے گی۔ اس پالیسی کے معماروں نے اس حقیقت سے صرف نظر کر لیا کہ گھر میں تیار کیے گئے حمایتیوں کے ذریعے بھارت کو سزا دینے سے خود پاکستان کا اپنا اندرونی استحکام کتنا مجروح ہوسکتا ہے۔

ڈیٹرنس کے حامی اور مخالف جنوبی ایشیائی بحرانوں پر کافی عرصے سے بحث کر رہے ہیں اور جائزہ لے رہے ہیں کہ کیا یہ بحران بڑے پیمانے کی کسی فوجی سرگرمی کی وجہ بنیں گے یا نہیں(18)۔ ڈیٹرنس حامی مفکرین کا اصرار اس نکتے پر ہے کہ متعدد بحرانوں کے باوجود پاکستان اور بھارت دونوں نے جوہری حد کبھی عبور نہیں کی ہے۔ ایسے ہی ایک ڈیٹرنس حامی مفکر سمیت (Summit) گنگولی نے1995 میں شائع ہونے والے اپنے کالم میں لکھا:

''جوہری ہتھیاروں کی موجودگی نے خطے میں موجود ریاستوں کے براہ راست تصادم کے امکان کو کم کیا ہے''(19)

اسی طرح کارگل بحران سے ایک سال قبل شائع ہونے والی اپنی کتاب میں Devin T. Hagerty نے کہا:

''بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے موجود نظریات میں اس سے محکم نظریہ کوئی نہیں کہ ایٹمی صلاحیتوں کے حامل ملکوں میں جنگیں نہیں ہوتیں''(20)

MashalBooks.org

کارگل بحران کے بعد مذکورہ بالا مصنف نے اپنے نقطہ نظر میں یہ تبدیلی کی کہ محدود جنگ کا امکان بہر حال موجود رہے گا۔Hagerty تسلیم کرتا ہے کہ:

''جوہری ہتھیاروں کی موجودگی اہم ترین عوامل میں سے ایک تھی جس نے اسلام آباد کو چھوٹے پیمانے کا جھگڑا مول لینے پر اکسایا مگر یہ جوہری ڈیٹرنس وہ واحد وجہ بھی بنا جس نے تنازع کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔''(21)

ڈیٹرنس نظریے کے مخالفین کا فوکس شدید بحرانوں میں بڑی فوجی مہم جوئی رہا ہے۔مثال کے طور پر کارگل بحران کے معاملے کے حوالے سے کانتی باجپائی کا نکتہ نظر یہ ہے:

''بھارت مکمل طور پر فتح تک جنگ لڑنے کو تیار تھا چاہے اس کے لیے فل سکیل جنگ کی نوبت کیوں نہ آجاتی..... اور وہ اس پر بھی تیار تھا کہ پاکستانی فضائیہ کی صلاحیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فضائیہ کو حرکت میں لے آتا''

باجپائی کا تخمینہ یہ ہے:

''نتیجے کے طور پر یہ کہنا کافی مشکل لگتا ہے کہ کارگل بحران کے ٹل جانے کی وجہ بڑے خطرات تھے''(22)

جب تک پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات نارمل نہیں ہوتے ڈیٹرنس کے نظریے کے مخالف اس طرح کے مضبوط دلائل سامنے لاتے رہیں گے۔جیسا کہ Neil Jeock نے ایک جگہ لکھا ہے:

''دو متحارب طاقتوں کے پاس جوہری صلاحیت کا قطعا یہ مطلب نہیں کہ ان میں جنگ نہ ہوگی بلکہ ان ایٹمی بموں کی موجودگی بڑے حادثوں کے امکان کو بڑھاتی ہے۔''(23)

ڈیٹرنس نظریے کے حامی اپنی رجائیت کی بنیاد منطقی رویوں اور مربوط حکومتوں پر رکھتے ہیں۔ پاکستان کے اندرونی معاملات پر نظر دوڑائیں تو اس حوالے سے کئی سوالیہ نشان موجود اور محکم ہیں۔

بڑے ہلاکت خیز حملوں کا محل وقوع

استحکام،عدم استحکام پیراڈاکس کا مرکزی نقطہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا ہے۔ٹوئن پیک

MashalBooks.org

کرائسس اور2008ء کا بحران 1990 کے بحران اور کارگل کرائسس سے مختلف تھے کیونکہ ان بحرانوں میں ابتدائی حادثوں کا مرکز جموں وکشمیر کی ریاست نہیں تھی۔ بلکہ ان بحرانوں کا آغاز ممبئی اور دلی میں ہونے والے ہائی پروفائل ہلاکت خیز حملے تھے ..... دلی اور ممبئی جو نمائندگی کرتے ہیں بھارت کے سیاسی استحکام کی ، ان کی معاشی ترقی کی اور دنیا سے ان کے تعلق کی..... حقیقت یہ ہے کہ ان حملوں کا ارتکاب کرنے والے وہ کچھ کرگزرنے میں کامیاب رہے تھے جو پاکستان خواہش کے باوجود آج تک نہیں کرسکا ہے..... اور بھارت پر ہونے والے ہر ہلاکت خیز حملے سے پاکستان یہ سب حاصل کرنے سے دور ہوتا جائے گا۔

بھارت کے بڑے شہروں میں ہائی پروفائل اہداف پر کراس بارڈر حملے ایک نیا رواج ہے جو چل پڑا ہے۔ آخری حملے جو اس حوالے سے ہوئے.....اور فوجی بحران کی وجہ بنے .....وہ تھے بھارتی ریاست جموں وکشمیر میں ہونے والے حملے ۔ اس کو ہوئے بھی ایک عشرہ گزر گیا ہے، اکتوبر2001 میں ہونے والے حملے کا ہدف ریاستی اسمبلی تھی، مارچ2002 میں جموں میں رگھوناتھ کا مندر اور مئی2002 میں بھارتی فوجیوں کی رہائشی کالونی جس میں بھارتی فوجیوں کے خاندان آباد تھے ،حملوں کا نشانہ بنی۔ اس کے بعد بڑے پیمانے پر ہلاکت خیز حملوں کا یہ سلسلہ نئی دلی، ممبئی، ایودھیہ، جون پور، وارانسی،حیدر آباد، جئے پور، احمد آباد، پونے اور دیگر جگہوں پر بھی پھیلتا چلا گیا۔ ان تمام کے تمام حملوں کے پیچھے کارفرما عناصر پاکستانی نہیں تھے کیونکہ بھارت میں اور بھی کئی گروہ ہیں جو بھارتی حکومتوں سے زخم خوردہ ہیں مثال کے طور پر نکسالی اور بھارتی مسلمان..... تاہم ان حملوں میں کئی ایسے حملے ہیں جن کی کھوج میں نکلا جائے تو سرے پاکستانی بنیادیں رکھنے والی دہشت گردی سے جا ملتے ہیں۔

جموں وکشمیر میں ہلاکت خیز حملوں کی واپسی کسی وقت بھی ہوسکتی ہے۔ تاہم اگر2002 کے بعد بھارت میں کیے گئے ہلاکت خیز حملوں کا ریکارڈ دیکھیں تو ان کا رخ ملک کے جنوبی علاقوں میں موجود شہروں کی طرف ہے(بھارت میں ہونے والے ہلاکت خیز حملوں کی فہرست کے لیے دیکھیے ضمیمہ نمبر 3)۔ اس رجحان کی ایک سے زیادہ توضیحات ہوسکتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ وہ عسکریت پسند گروہ جن کے پاکستان کی فوجی حلقوں سے وابستگی ہے اور جو بھارت میں ہلاکت خیز حملوں کی منصوبہ بندی کرتے ہیں، وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ بھارتی ریاست جموں وکشمیر میں موجود مسلم اکثریتی علاقوں کو جو نئی دلی کے قبضے میں

ہیں انہیں منتشر نہ کیا جائے۔ دوسری ممکنہ وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حملہ کرنے والے اب اس حقیقت کو پہچان رہے ہیں کہ جموں وکشمیر کے ہلاکت خیز حملہ اب چونکانے اور بھارت کو صدمہ پہنچانے والی اہمیت کے حامل نہیں رہ گئے۔ تیسرا امکان یہ ہوسکتا ہے کہ2001 کے بعد پاکستان کی فوجی طاقت کا فوکس افغان بارڈر ہو چکا ہے۔ منقسم کشمیر کی لائن آف کنٹرول سلگانے سے پاکستان دو محاذ کھول بیٹھا تو اسے سکیورٹی کے حوالے شدید خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس سے بچنے کے لیے راولپنڈی نے ہمیشہ کوشش کی ہے۔

بظاہر معقول تردید

بھارتی سرزمین پر جتنے بھی ہلاکت خیز حملے ہوئے، پاکستان کے سیاسی اور فوجی لیڈروں نے شروع میں ان کی ذمہ داری لینے یا حملوں سے متعلق پیشگی آگاہی سے انکار کیا ہے۔ اگرچہ1990 کے بحران کے حوالے سے پاکستان کی تردیدوں پر کئی سوالیہ نشانات موجود ہیں۔ بلاشبہ ریاست جموں وکشمیر میں بھارت کا برا طرز حکمرانی بھی ایک بڑی وجہ تھا جس نے اسے عوامی ہمدردی سے محروم کیا۔ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ بھارت کا جموں وکشمیر پر برے طرز حکومت کا سلسلہ تو کئی دہائیوں سے جاری ہے، خاص طور پر2002 سے قبل ہونے والے ریاستی اسمبلی کے انتخابات کے مواقع پر.....1990 کے ہنگاموں کی شدت کو دیکھیں تو نہ صرف اندرونی عدم اطمینان اس کی وجہ نظر آتے ہیں بلکہ بیرونی ہاتھ بھی صاف سرگرم دکھائی دیتا ہے۔ اس بیرونی حمایت کو بآسانی زمانی ترتیب میں رکھ کر دیکھا جا سکتا ہے(24) اور یہ بیرونی ہاتھ1990 کی دہائی کے ابتدائی حصے میں تو کھل کر خود کو ظاہر کرتا ہے جب غیر مطمئن کشمیری، بھارتی سکیورٹی فورسز کے مقابلے میں کمزور حریف کے طور پر آمنے سامنے تھے۔ کارگل بحران کے دوران نا ملوث ہونے کے دعوے تو کاملا ناقص تھے کیونکہ لائن آف کنٹرول پر موجود فوجی آسانی سے آزاد فاعلین اور مجاہدین سے ممتاز نظر آرہے تھے جبکہ شروع میں پاکستان کا کہنا یہ تھا کہ یہ ہمارے فوجی نہیں بلکہ مجاہدین ہیں جو کارگل کے محاذ پر لڑ رہے ہیں۔

نئی دلی اور ممبئی حملوں کے حوالے سے بھی پاکستانی حکام نے پیش آگاہی یا ملی بھگت کی شدت سے مخالفت کی جس کے نتیجے میں2-2001 جڑواں چوٹیوں کا بحران اور2008 کا بحران پیدا

ہوا ۔ ان دونوں بحرانوں میں شامل حملہ آوروں کی بنیاد، ٹریننگ اور مسلح کیے جانے کا عمل پاکستان کی سرزمین پر ہوا تھا۔ ان بحرانوں کے دوران پاکستانی اتھارٹیز کو اپنے ہی اعمال کی وجہ سے شدید مشکلات کا شکار ہونا پڑا کیونکہ ان حملوں کے مرتکب افراد کی ریاستی اداروں سے منسلک اداروں کے افراد سے تعلقات واضح ہو گئے تھے۔ جب ایک بار حملہ آوروں کی بنیادیں پاکستان میں کھوج نکالی گئیں تو پاکستان نے اپنی دلیل یوں بدلی کہ پاکستان کی اعلیٰ فوجی اور انٹیلی جنس انتظامیہ کو اس بات کی خبر قطعاً نہیں تھی کہ ان کے ماتحت کیا کچھ جانتے ہیں..... ایک ہراساں کرنے والی مگر ایسی دلیل جسے امریکی انتظامیہ تائید دینے پر تیار تھی۔

ایک حقیقت جو ناقابل تردید ہے وہ یہ کہ جڑواں چوٹیوں کے بحران اور ممبئی کرائسس کے معاملے میں پاکستانی اتھارٹیز نے بڑے ہلاکت خیز حملوں کو روکنے کے لیے کوئی سنجیدہ اقدامات نہ کیے، جس کا مطلب یا تو پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نا اہلیت تھی کہ ایک ایسی سرگرمی ان کی نظر سے اوجھل رہی جو جنگ کا باعث ہو سکتی تھی یا پھر اس طرح کی سرگرمیوں کو ان کی حمایت حاصل تھی یا پھر یہ دونوں ہی وجوہات..... یہ بھی واضح ہے کہ پاکستانی اتھارٹیز نے ان لوگوں کے خلاف کوئی قابل ذکر کارروائی نہ کی یا کرنے میں ناکام رہی جنہوں نے کامیابی کے ساتھ بھارت میں ان ہلاکت خیز حملوں کی منصوبہ بندی کی تھی۔ پاکستان میں فقط عارضی اور مہذب نظر بندیاں عمل میں آئیں یا پھر لٹکتے عدالتی مقدمے بنائے گئے اور ان میں بھی کسی مرکزی شخصیت کو مجرم نامزد نہ کیا گیا۔

ملک کے علاقائی مفاد کو آگے بڑھانے کے لیے جن عسکریت پسند جتھوں کی پاکستانی فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے پرورش کی ان پر نظر رکھنا اور انہیں قابو میں رکھنا اب ان کے لیے خود بھی مشکل ہو چکا ہے۔ ان میں سے کچھ گروہ تو انہی فوجی حلقوں کے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں جنھوں نے انہیں تخلیق کیا تھا۔ جیسا کہ پاکستان کے ایک معروف صحافی زاہد حسین لکھتے ہیں:

''جہادی تنظیمیں نہ تو خفیہ ہیں اور نہ ہی غیر قانونی طور پر زمین سے پھوٹیں۔ ان کی نشوونما کو، تب بھی جب وہ سرکاری سرپرستی میں نہ تھیں، ہمدردانہ نظروں سے دیکھا گیا..... کیونکہ ان کے مقاصد پاکستان کی فوجی انتظامیہ سے ہم آہنگ تھے یعنی کشمیر کی بھارت سے آزادی اور افغانستان میں پشتونوں کی حکومت''(25)

جب جنگی امکان کے حامل ابتدا کاروں کا پاکستان سے تعلق دریافت ہو جاتا ہے تو سرکاری اہلکاروں کی طرف سے رٹا رٹایا سا یہ موقف سامنے آتا ہے کی ''الزام تراشی کے کھیل'' الزام تراشی کو ترک کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کے قابل افسوس واقعہ تو اب ہو چکا ہے، قوموں لیڈروں کو چاہیے کہ اب روشن مستقبل کو سامنے رکھیں اور آگے بڑھیں۔ یہ دلیل اب گھسی پٹی ہو چکی ہے کیونکہ 'الزام' تو اسی وقت لگتا ہے جب یہ ذمہ داری لینے یا حفاظتی اقدامات کرانے میں ناکام رہتے ہیں۔

اگر بھارتی شہروں پر پاکستان سے تعلق رکھنے والے شدت پسندوں کی جانب سے اسی طرح ہلاکت خیز حملے ہوتے رہے اور بعد میں وقتی تردیدوں اور شرمناک انکشافات کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو پاکستانی سکیورٹی فورسز اور انٹیلی جنس ایجنسیاں پھر اسی طرح کی مشکل صورت حال سے دوچار ہوتی رہیں گی۔ ہوسکتا ہے وہ اس قسم کی دلیلیں دے کر تسلی دے لیں کہ اس نوع کی تنظیموں کے ساتھ روابط اس لیے ضروری ہیں تا کہ حفاظتی انتظامات کے لیے انٹیلی جنس معلومات جمع کی جاسکیں۔ لیکن اگر بھارتی اہم اہداف پر حملوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے تو یہ نتیجہ نکالنا غیر معقول نہ ہوگا کہ پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیاں ان حملوں کو روکنے کے حوالے سے بدعنوانی کی مرتکب ہوئی ہیں یا پھر ان کی ملی بھگت سے یہ حملے ہوتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے کے حملے تو چلو نظرانداز کر بھی لیے جائیں مگر بڑے پیمانے کے حملوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تو تربیت اور منصوبہ بندی کی ضرورت پڑتی ہے اور اس صورت میں تو بدعنوانی اور ملی بھگت کے الزام قابل بھروسہ ہوں گے۔ چونکہ پاکستان میں انٹیلی جنس عہدوں پر سینئیر فوجی عہدیدار فائز ہوتے ہیں جو چیف آف آرمی سٹاف کو جواب دہ ہوتے ہیں اس لیے کراس بارڈر یہ حملے چیف آف آرمی سٹاف کی نااہلیت کے بھی عکاس ہیں۔ ہر ہونے والا حملہ اور اس کے بعد حملہ آوروں کو سزا دینے میں عدم صلاحیت یا نارضامندی راولپنڈی کی جانب سے معقول تردیدوں کی اہمیت کو گھٹاتی جائے گی۔ پہلے بھی راولپنڈی کے عسکریت پسندوں کے تعلقات پاکستان کے لیے بھاری قیمت چکانے کا باعث بن چکے ہیں جو الزام تراشی سے محفوظ نہیں رہ سکتے، چاہے اس کا نقصان بھارت سے کہیں زیادہ خود پاکستان کو نہ ہوا ہو اور چاہے ان انتہا پسند گروہوں کی نگرانی اور کنٹرول کا عمل کتنا بھی مشکل نہ ہو چکا ہو۔

پاکستان کے فوجی حلقے کو اپنا دامن صاف دکھانے اور پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے

لیے دو اقدامات کرنا ہوں گے..... اولا انہیں پاکستان کی سرزمین پر موجود متشدد گروہوں کے خلاف بامقصد مہم چلانا ہو گی اور ثانیا انہیں بھارت کے ساتھ دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے بامعنی تعاون بڑھانا ہوگا۔ ان دونوں اقدامات کے لیے فوجی حلقوں کو پاکستان کے سکیورٹی کلچر کے تصور پر نظر ثانی کی ضرورت پڑے گی۔ ابھی تک یہ ہوتا آیا ہے کہ پاکستان کی سکیورٹی فورسز نے ان متشدد گروہوں کے خلاف آپریشن کیا ہے جن کا رخ پاکستان کی طرف ہے نہ کہ ان عسکریت پسندوں کے خلاف جو بھارت کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف تعاون کے حوالے سے بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ اور پاکستانی صدر پرویز مشرف کے مابین غیر جانبدار ملکوں کی تحریک کے اجلاس، منعقدہ ہوانا، ستمبر 2006 میں جوائنٹ اینٹی ٹیررازم مکینزم پر اتفاق ہو چکا ہے۔ غیر وابستہ ممالک کی تحریک کے ایک اور اجلاس، منعقدہ شرم الشیخ، مصر 2009 کی ایک ضمنی ملاقات[26] میں وزیراعظم منموہن سنگھ اور یوسف رضا گیلانی کے مابین بھی ''مستقبل میں ہونے والے کسی دہشت گردی کے حملے کے حوالے سے بروقت، قابل بھروسہ اور قابل عمل معلومات کے تبادلے'' کے حوالے سے اتفاق ہو چکا ہے۔ مگر ان معاہدوں کو عملی جامہ پہنانے کا عمل کمزور ہے۔ بھارت کو بھی دہشت گردی کے خلاف کامیابی کو ممکن بنانے کے لیے اپنے سکیورٹی کلچر میں تبدیلیاں لانی ہوں گی۔[27]

بھارتی گریز

گذشتہ چار بحرانوں کو سامنے رکھیں تو ایک مشترک عامل صاف نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ بھارت کی اتحادی حکومتوں نے ہر بار شدید محرک کی موجودگی کے باوجود غیر معمولی احتیاط پسندی اور گریز کا مظاہرہ کیا۔ منقسم کشمیر میں ہونے والے حملوں کے نتیجے میں ہر بار بھارت نے کم سے کم فوجی وسائل کو استعمال میں لا کر سٹیٹس کو کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ بھارتی لیڈر کم محتاط ردعمل دیتے اگر ان کی فوجیں ناردرن لائٹ انفینٹری کی پیش قدمی کو روکنے میں ناکام ہو جاتیں۔ بھارت کی دفاعی کابینہ کمیٹی نے کارگل چوٹی پر قبضے کے بعد بھی بھارتی فضائیہ کو صرف بھارتی کشمیر میں فضائی حملوں کی اجازت دی تھی، ان کا زیادہ زور زمینی فوج پر تھا کہ وہ مربوط حکمت عملی سے کارگل کے علاقے واپس لیں۔ اس گریز کے بدلے میں

بھارتی حکام کو سفارتی میدان میں کامیابیاں ملیں،جبکہ پاکستان کی فوجی قیادت ، جو اپنی کور سٹوری .....کہ کارگل پر قابض لوگ مجاہدین ہیں.....کو داؤ پر نہیں لگانا چاہتی تھی اس نے بھی فوج کو تعینات نہ کر کے گریز کی پالیسی اختیار کی۔ مگر ان کو پیشگی جارحیت کی وجہ سے کہیں سے بھی اسے تحسین نہ ملی۔ کارگل منصوبے میں حکمت کی کمی اور پاکستانی مہم جوئی پر منفی بین الاقوامی ردعمل کی وجہ سے امید یہی ہے کہ اس طرح کی کوئی پیش قدمی دہرائی نہیں جائے گی۔(28)

جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوسرے بڑے موقع پر بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے غیر معمولی قدم اٹھاتے ہوئے جموں کا دورہ کیا..... جہاں کشمیر میں تعینات فوجیوں کے خاندانوں کی رہائشی آبادی پر حملے کے بعد حالات بہت کشیدہ تھے اور اعلان کیا کہ:

''فیصلہ کن جنگ کا وقت آن پہنچا ہے اور ہمیں اس جنگ میں کامیابی ملنا یقینی ہے''(29)

اس اعلان کے بعد واجپائی پہاڑی مقام منالی گئے، ظاہری طور پر بھارتی حکومت نے اس وزٹ کو 'چھٹی' قرار دیا مگر یہاں انہوں نے زیرزمین سرنگ کی بنیاد رکھی۔ یہ اقدامات امریکی انتظامیہ کے لیے ابہام انگیز بھی تھا اور خطرے کی گھنٹی بھی۔اس موقع پر بھارت میں امریکہ کے سفیر نے ملک میں موجود 'غیر ضروری' امریکی عملے اور ان کے اہل خانہ کو ملک چھوڑ کر چلے جانے کی ہدایات بھی جاری کیں۔ بہت سے امریکی تجزیہ نگار اس وقت کہہ رہے تھے کہ جنگ اب اٹل ہے۔(30) پوشیدہ مفادات سے قطع نظر ایک بات حتمی ہے کہ اس وقت بھی واجپائی جنگ کے حوالے سے متامل تھا، اس نے ایک اور شدید انتباہی نوٹ جاری کیا تا کہ امریکی کرائسس منیجمنٹ پھر متحرک ہو سکے۔ امریکی انتظامیہ جنرل مشرف سے کچھ یقین دہانیاں اور وعدے لینے میں کامیاب ٹھہری جن کے حوالے سے بھارت کے شکوک وشبہات تھے۔(31) بہرحال مشرف کے یہ وعدے اس وقت جڑواں چوٹیوں کے بحران سے پیدا ہونے والی فوجی صورت حال کو مدہم کرنے میں کامیاب رہے۔

وزیراعظم منموہن سنگھ کی سرکردگی میں بھارت کی ایک اور مختلف نوعیت کی اتحادی حکومت بھی واجپائی حکومت کی طرح اس وقت پاکستانی علاقوں پر حملوں سے ہچکچاتی رہی جب 2008ء میں ممبئی میں بڑے پیمانے کے ہلاکت خیز حملے ہوئے۔ واجپائی کی طرح منموہن سنگھ بھی اسی نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان کو سزا دینے سے حاصل ہونے والے فائدے کم ہیں جبکہ خطرات

بہت زیادہ..... سب سے بڑا خطرہ جو اس کی نظر میں تھا وہ یہ کہ کہیں فوجی عمل قابو سے باہر نکل کر ایٹم بموں کے استعمال کی نوبت تک نہ پہنچ جائے۔ اگرچہ پاکستان کی دو مفروضہ ''ریڈ لائنز''..... پاک فضائیہ کا بھاری نقصان اور اس کی فضائی حدود کو کنٹرول میں نہ رکھ سکنے کی صلاحیت بشمول علاقے پر قبضہ..... کا لڑائی کے دوران حصول ممکن ہوتا۔ (32)

بھارت نے دوسرے خطرات کو زیادہ وزن دیا..... اور پاکستان کی نئی، غیر یقینی کا شکار اور کمزور سویلین حکومت نے بھی دیگر خطرات کو اہمیت دی، جو حال ہی میں ایک اور فوجی ڈکٹیٹر جنرل مشرف کے بعد وجود میں آئی تھی۔ برائے نام طاقتور عہدوں پر فائز صدر آصف علی زرداری اور وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اس پوزیشن میں قطعا نہ تھے کہ وہ نئی دلی کے مطالبات کے جواب میں کوئی قابل بھروسہ یقین دہانی کر اسکتے۔ بھارت کی طرف سے جوابی حملے اندرونی سطح پر پاکستان میں سول ملٹری تعلقات اور پاکستان کی قومی سیاست میں فوری تبدیلیوں کا سبب بن سکتے تھے اور یہ وہ چیز تھی جسے بھارت اپنے تصور کردہ مفادات کے منافی سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں پاکستان پر بھارتی حملے کی صورت میں افغانستان میں موجود امریکی اور اتحادی طاقتوں پر بھی منفی اثرات پڑتے..... وہ اثرات جو بھارت کے حق میں شاید بہتر نہ ہوتے۔ جوابی حملوں سے گریز کی ایک اور وجہ شاید وہ امید تھی جو ابھی وزیراعظم منموہن سنگھ میں، واجپائی کی طرح، زندہ تھی کہ ہوسکتا ہے پاکستان کے ساتھ ان کے تعلقات نارمل ہی ہو جائیں۔

ان تمام بحرانوں میں تمام بھارتی لیڈر ایک ہی پہیلی سلجھانے کی کوشش میں لگے رہے..... کہ پاکستانی کشمیر میں جن اہداف پر حملے کیے جائیں وہ کم اہمیت اور مختصر دورانیے کے ہوں۔ بہر حال ان حملوں کا نتیجہ بڑی فضائی جنگ اور بھارتی سرزمین پر حملوں کی صورت میں بھی نکل سکتا تھا اور ان سے فل سکیل جنگ بھی چھڑ سکتی تھی۔ دوسرا متبادل یہ ہوتا کہ بھارتی حکومت پاکستان کے مرکزی علاقوں، جیسا کہ پنجاب، جہاں عسکریت پسند تنظیمیں بڑی تعداد میں موجود ہیں، میں اہم اور بڑے اہداف پر فضائی حملے یا دیگر آپریشنز کی اپنی فوج کو اجازت دے دیتی۔ تو اس صورت میں فل سکیل جنگ اور بڑی فوجی سرگرمی کا امکان اور بھی بڑھ جاتا۔

بھرپور ترغیب انگیز حملوں کے باوجود گریز کے حوالے سے بھارتی حکومتوں پر اندرون ملک

شدید مگر مختصر تنقیدیں بھی ہوئیں۔ بھارتی تزویراتی ماہرین کو بھی مشکل صورت حال کا سامنا رہا کیونکہ مسلح افواج کو جنگ کے لیے موبلائز کرنے کے لیے تین سے چھ ہفتے درکار ہوتے ہیں اور اس دوران واشنگٹن کے مداخلت ہوجاتی ہے یا بین الاقوامی کوششیں مربوط انداز میں جوابی فوجی کارروائی رکوانے کے لیے فعال ہوجاتی ہیں۔ اس حوالے سے یہ رپورٹیں بھی آئیں کہ بھارتی فوجی منصوبہ سازوں نے اب ان روایتی جنگی میدانوں میں بڑے پیمانے پر لڑی جانے والی جنگوں کے حوالے سے منصوبہ بندیوں پر نظر ثانی کی ہے۔ اب بھارت نے جو حکمت عملی اختیار کی ہے اسے بھارتی میڈیا اور بین الاقوامی مبصرین 'سرد آغاز' کا نام دیتے ہیں۔ مختلف رپورٹوں کے مطابق اس نظر ثانی شدہ پالیسی کا مطمح نظر یہ ہے کہ عام بڑی جنگ کی نسبت بوقت ضرورت محدود تعداد میں فوجوں کو حرکت میں لایا جائے اور یوں 'سطحی' علاقائی فوائد کے لیے چند دنوں میں فوج کو تعینات کر لیا جانا ممکن ہوسکے۔ مبصرین اس نئی نظر ثانی شدہ حکمت عملی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اس میں مربوط بھارتی پیدل فوج کے دستوں، اسلح بردار فوج بشمول فضائیہ کو ''چھوٹے مربوط لڑاکا گروپس'' میں ڈھال لیا جاتا ہے۔(33)

اس ''سرد آغاز'' نوعیت کی فوجی منصوبہ بندی کے خلاف پاکستانی حکام کی جانب سے متواتر واویلا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ پاکستان برصغیر میں روایتی عدم توازن کے حوالے سے خود بھی خدشات کا شکار ہے۔ پاکستانی اہلکار 'سرد آغاز' جنگی امکان کی حامل پالیسیوں کو نمایاں کرتے ہوئے جوائنٹ آپریشنز کے حوالے سے بھارت کی روایتی مشکلات کو استعمال کرتے ہیں .....یعنی بھارت کی طرف سے فوجی منصوبوں کے نفاذ میں تاخیر اور بھارتی سیاسی لیڈروں کی جانب سے بحران کے دوران انہیں اختیار دینے سے تذبذب.....۔ نئی دلی کی جانب سے مزید اقدامات کے حوالے سے انتباہی نوٹ کے طور پر پاکستانی اہلکار کہتے ہیں کہ اگر بھارت کی جانب سے کسی بھی قسم کی فوجی جوابی کارروائی سامنے آئی تو اس سے خطے میں ایٹمی جنگ کے خطرات بڑھ جائیں گے۔ اس حوالے سے ایک اہم پیش رفت تب ہوئی جب اپریل 2011 میں پاکستان کے سٹریٹیجک پلانز ڈویژن کے ڈائریکٹر جنرل کے سامنے ایٹمی ہتھیار لے جانے کے قابل موبائل آرٹلری سسٹم کی آزمائش کی گئی۔(34)

بھارت کے سرکاری حکام میں بھی اب 'سرد آغاز' کے نظریے کے حوالے سے تنازعات پیدا

ہو چکے ہیں۔ایک چیز جس کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ گذشتہ بحرانوں کے دوران فل سکیل روایتی جنگ کی طرف جانے کے حوالے سے بھارتی افواج کے پاس محدود آپشن کی وجہ سے انہیں کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔مثال کے طور پر کارگل بحران کے موقع پر بھارتی آرمی چیف جنرل ایس پدمانا بھن کا یہ بیان دیکھیں جوانہوں نے میڈیا کے سامنے دیا:

''ایٹمی ہتھیاروں کی حامل جنگ کا خیال کسی کے بھی ذہن میں نہیں ہے۔ جو کوشش ہماری ہے وہ یہ ہے کہ روایتی جنگ سے ہم زیادہ سے زیادہ نتیجہ حاصل کر سکیں''(35)

ان کے پیش رو جنرل وی پی ملک نے بھی متعدد بار اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسی قسم کی ضرورت پر زور دیا ہے:

'' اگرچہ بھارت اور پاکستان ایٹمی قوتیں ہیں،مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں کے درمیان روایتی جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔ کارگل کی جنگ اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے۔ایک نیوکلیائی حد کے اندر روایتی جنگ ممکن ہے۔''(36)

بھارتی فوجی اہلکاروں لیے یہ غیر ذمہ دارانہ امر ہے کہ وہ جوہری حد کے اندر رہتے ہوئے فوجی منصوبہ بندی کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔ پاکستانی اہلکاروں کے لیے بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔

بھارتی فوج کی تربیتی مشقیں شاہد ہیں کہ وہ محدود پیمانے کی روایتی جنگ کے حوالے سے مشقیں اپنے پروگرام میں شامل رکھتے ہیں۔(37) اس بات کی شہادتیں بھی عدم موجود ہیں کہ بھارت نے جنگی مقاصد کے لیے زمینیں خریدی ہوں، یا جنگی سازوسامان جمع کیا ہو یا جوائنٹ ملٹری کمانڈز اور آپریشنز منعقد کیے ہوں، جو کسی .....بقول 'سرد آغاز' حامی مبصرین .....قسم کے جرات مندانہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے درکار ہوتے ہیں ۔یقین مانیے کہ اس سے کہیں چھوٹے پیمانے کے ملٹری آپریشنز کے لیے، چاہے وہ سپیشل فورسز کریں یا بھارتی فضائیہ، یہ تیاریاں ضروری نہیں ہیں۔ تاہم ان میں بھی یہ خطرہ موجود ہوتا ہے کہ یہ ناقابل کنٹرول جنگی امکان میں ڈھل جائیں۔

بہت سے زیرک مبصرین کا یہ خیال ہے کہ اگر مستقبل میں پاکستان سے تعلق رکھنے والے شدت پسندوں کی جانب سے بھارتی اہداف کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو بھارت جس تحمل کو وتیرہ

بنائے ہوئے ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا، خاص طور پر اس صورت میں کہ اگر انڈین آرمی اور فضائیہ محدود جنگ کے حوالے سے پوری طرح تیار ہوئیں تو..... اس حوالے سے بروس ریڈل کا تجزیہ قابل غور ہے جن کا کہنا ہے کہ ''اگلی بار بھارتی صبر کا پیمانہ لبریز ہوسکتا ہے اور وہ صرف فوجی نقل وحمل کی بجائے پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے''(38)۔ اسی طرح Teresita Schaffer نے بھی خبر دار کیا ہے کہ ''ممبئی طرز کا اگر ایک اور حملہ ہوتا ہے تو بھارت 2008 کے مقابلے میں کہیں زیادہ جارحانہ ردعمل دے سکتا ہے، اکثر مبصرین کا اس حوالے سے خیال ہے کہ بھارت پھر فوجی اقدامات کرنے پر مجبور ہو جائے گا''(39)۔ میں یہاں کہنا چاہوں گا کہ یہ پیش گوئیاں درست ثابت ہوسکتی ہیں۔ تاہم اس حوالے سے کچھ یقین کے ساتھ کہا جانا مشکل ہے کہ محدود جنگ کے منصوبوں کے موجودگی اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت کے باوجود کیا بھارتی وزیراعظم اور کابینہ کی کمیٹی برائے سکیورٹی کے ذہن میں بھی یہ خیال آتا ہے کہ نہیں۔

وہ وجوہات جن کی بنیاد پر ترغیب کے باوجود بھارت نے گریز کی پالیسی اختیار کی، آج بھی موجود ہیں بلکہ کئی حوالوں سے تو وہ اور بھی محکم ہوچکی ہیں۔ ناقابل قابو جنگ کے خطرے کے بادل اب بھی برصغیر کے آسمان پر موجود ہیں اور لگتا یوں ہے کہ پاکستان کی فوجی قیادت یہ نتیجہ نکال کے بیٹھی ہے کہ ان کے مفادات کا تحفظ اس امر میں ہے کہ وہ ان خطرات کو ہائی لائٹ کرتے رہیں۔ نئی دلی اب بھی پاکستانی سول اتھارٹیز کو ابھارنے اور فوجی قیادت کے اثرات کو کم کرنے کی کی پالیسی کو جاری رکھے ہوئے ہے، اور ان کے نزدیک یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے محدود جنگ کا آپشن رکاوٹ ثابت ہوگا۔ علاوہ ازیں محدود جنگ، چاہے وہ جوہری حد کے اندر ہی کیوں نہ ہو، پاکستان کی داخلی سیاسی حرکیات، جیسے سول ملٹری عدم توازن کو مزید بگاڑنے کا سبب بھی ہوسکتی ہے۔ شاید مسائل کی یہ فہرست ہے جو بھارت کی پیش قدمی کو روک دیتی ہے، تاہم ہوسکتا ہے کبھی یہ خطرات بھارت کی داخلی مجبوریوں سے شکست کھا جائیں۔

جوہری ہتھیاروں کا کردار

برصغیر میں آنے والے گذشتہ بحرانوں میں جوہری ہتھیاروں کا نمایاں کردار رہا ہے۔ جیسا کہ

ڈیٹرنس کے نظریے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ جوہری ہتھیاروں نے دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والی فوجی کشمکشوں کو ان حدوں کے اندر رکھا جو ایٹمی جنگ کا دروازہ کہلائی جاتی ہیں۔ دوسری جانب ڈیٹرنس نظریے کے مخالفین ہیں جن کا کہنا اس کے برعکس ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جوہری ہتھیار ہی وہ بنیادی وجہ ہیں جو بحران کا سبب بنے ہیں اور دونوں ملکوں کو رسک لینے کے رویے پر اکسایا ہے۔ ان کا کہنا ہے ہر بحران نے نیوکلیائی پروگراموں کے لیے مہمیز کا کام کیا ہے۔ مثال کے طور پر سٹیفن کوہن اور شریک مصنفین کی یہ رائے دیکھیں:

''براس ٹیک بحران نے دونوں ملکوں کے اس یقین کو واثق تر کر دیا کہ جوہری صلاحیت کا حصول مطلوب ترین اور ناگزیر ترین ہے''(40)

انہی مصنفین نے نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا:

''براس ٹیک بحران پاکستان کو امریکا سے دور اور کمزور جوہری ڈیٹرنس رکھنے والے علاقوں کی طرف لے گیا''(41)

Raj Vhengappa کے سورسز کی اطلاع ہے کہ بھارتی حکومت اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ پاکستانی فوج نے 1988 میں فعال جوہری صلاحیت حاصل کر لی تھی یعنی براس ٹیک بحران کے فوری بعد.....(42) جسیت سنگھ کا کہنا تو یہ ہے کہ اس سے بھی پہلے یعنی 1987 میں پاکستان یہ صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔(43)

1990 کا بحران پاکستان کے ملٹری لیڈروں کو یورینیم کی افزودگی کے حوالے سے ان ریڈ لائنز کی دوسری طرف لے گیا جو رونالڈ ریگن اور جارج ڈبلیو بش کی امریکی انتظامیہ نے کھینچی تھیں(44)۔ براس ٹیک اور 1990 کے بحران کا درمیانی عرصہ بھارت کے جوہری منصوبوں کو بھی کافی آگے لے گیا۔ جارج پرکووچ جس نے بھارت کے جوہری ہتھیاروں پر سب سے زیادہ تفصیلی اور شاہکار کام کیا ہوا ہے، کا کہنا ہے کہ بھارت نے جوہری ہتھیار 1988 سے 1990 کے درمیان تیار کر لیے تھے(45)۔ 1990 کے بحران کے دوران ضرورت پڑنے کی صورت میں انڈیا کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے لیے ایڈہاک نوعیت کے خام طریقہ پر انحصار کرنا پڑا تھا(46)۔ بھارت کے معروف ترین تزویراتی امور کے تجزیہ نگار کے سبرامینیم بھارت کے ایٹمی ڈیٹرنس کی موجودگی کا عرصہ ''1990 کی ابتدا''(47)

MashalBooks.org

قرار دیتے ہیں۔

سٹیفن فلپ کوہن اور شریک مصنفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ 1990 کے بحران کے دوران پاکستان کی فوجی قیادت نے اپنی حملے کی صلاحیت کو انتہائی الرٹ حالت تک پہنچانے کے علاوہ دیگر اقدامات بھی کیے تھے تاکہ واشنگٹن میں موجود کرائسس مینیجمنٹ کو بیدار کیا جاسکتا[48]۔ان میں سے کچھ اقدامات کو غلط پڑھا گیا اور زیادہ ڈرامائی انداز میں ان کے حوالے سے ردعمل دکھایا گیا..... مثال کے طور پر کہوٹہ کو خالی کر دینا اور اگلی ہوائی چوکیوں پر موجود ایف 16 پر جوہری بموں کا نصب کیا جانا[49]۔ بلاشبہ 1990 کے بحران میں ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا خطرہ حقیقی تھا تاہم اسے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔ سبرامینیم اس بحران کے دنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا ایک ٹاپ سیکرٹ تجزیہ جو اس وقت سامنے آیا وہ یہ تھا کہ پاکستان کی جانب سے جوہری ہتھیاروں کے استعمال کا خطرہ زیادہ نمایاں نہیں ہے۔تاہم اس کے باوجود بھارتی فضائیہ کو انتہائی الرٹ کر دیا گیا تھا[50]۔ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے خطرے کے حوالے سے امریکی خفیہ ایجنسیاں زیادہ خطرہ محسوس کر رہی تھیں Seymour Hersh نے اس بحران کے دوران سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر رچرڈ جے کر کا یہ بیان نقل کیا:

''جتنے عرصے سے میں امریکی حکومت سے منسلک تھا، اس عرصے میں جوہری خطرے کے حوالے سے یہ سب سے زیادہ خطرناک صورت حال تھی۔ یہ صورت حال کیوبا کے میزائل کرائسس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور خوفزدہ کر دینے والی تھی''[51]۔

جب پاک بھارت بحران کی پرتیں کھلتی ہیں تو خطرات سے بچنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ دونوں ممالک جان بوجھ کر ایسے قدم اٹھاتے ہیں کہ امریکہ کے کرائسس منیجرز کو موبلائز کیا جائے اور اس صورت حال سے اپنی حمایت میں تو کم از کم قابل اطمینان نتیجہ نکل سکے۔بحرانی حالات میں بھارت اور پاکستان کی لیڈر شپ ''اپنے سیاسی مخالفوں کی طرف سے مخالف ملک کے لیے' نرم گوشہ' رکھنے کے الزام'' سے بچنے کے لیے ''زبانی جنگ'' کے حربے کو استعمال کرتے ہیں[52]۔جوہری ہتھیاروں کے استعمال کی دھمکیاں بھی ڈیٹرنس کی بحالی کے مقصد کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ اور پھر جب کرائسس ختم ہو جاتا ہے تو دونوں ملک خود کو ذمہ دار ایٹمی طاقتیں ثابت کرنے کے لیے جوہری خطرات کو کم کرنے کا واویلا کرنے

لگتی ہیں حالانکہ اس وقت بھی اگر وقت کا تقاضا ہو تو جوہری ہتھیاروں کو انتہائی تیاری کے عالم میں رکھا جاتا ہے[53]۔ بحران کے دوران جہاں ایٹمی خطرات کا تخمینہ لگانا مشکل امر ہے، وہاں امریکی انتظامیہ یہ عیاشی برداشت نہیں کرسکتی کہ ان کے پالیسی ساز ایٹمی خطرات کو پس پشت ڈال دیں۔

ہر آنے والے بحران اور بھارت کی روایتی جنگ کی صلاحیتوں میں ہونے والے اضافے کے ساتھ پاکستان کا جوہری ہتھیاروں پر بطور ڈیٹرنس انحصار بڑھتا جارہا ہے۔ جوہری ہتھیاروں کا خطرہ بحرانی دور کے شدت کے زمانے میں اور بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ جوہری سگنلنگ ان دنوں بڑھ جاتی ہے[54]۔ جوہری حملے کے حوالے سے پبلک وارننگز اور میزائلوں کے تجربے (جو عموماً پاکستان کی جانب سے شروع کیے جاتے ہیں جو دونوں پارٹیوں میں قدرے کمزور پارٹی ہے) کا بھی نئی دلی کی جانب سے فوراً پبلک وارننگز اور میزائلوں کے تجربے کی صورت میں ردعمل دیا جاتا ہے جو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا کہ نئی دلی کو جوہری خطرات دکھا کر اس سے مطالبات نہیں منوائے جا سکتے۔ یہ عمل اور ردعمل کے جوہری اشارے اور پیغامات خاص طور پر 1990 کے بحران، کارگل کرائسس اور جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران دیکھے جا سکتے ہیں[55]۔

بہت سی وجوہات ہیں کہ کیوں پبلک وارننگز اور جوہری ہتھیاروں کے استعمال کے اشارے کیے جاتے ہیں، جن کے لیے بہت سے جوہری ضرورتیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اپنی ڈیٹرنس اور دفاعی صلاحیتوں کا اظہار کیا جائے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگلے بحرانوں کے حوالے سے ان جوہری ہتھیاروں سے جتنا فائدہ لیا جا سکتا ہے، وہ لیا جائے (پاکستان کے معاملے میں) یا پھر اس برتری کو تحلیل کیا جائے (بھارت کے معاملے میں)۔ بحران بطور علت اور جوہری تقاضوں کا اظہار بطور اثر، اس حوالے سے پایہ ثبوت کو پہنچا امر نہیں کیونکہ پاکستان اور بھارت دونوں ہی اس حوالے سے اعلیٰ درجے کی رازداری برتتے ہیں کہ ان کے پاس کتنے جوہری ہتھیار موجود ہیں۔ اگرچہ یہ مفروضہ مکمل طور پر درست نہیں کہ بحران ایٹمی ضرورتوں میں اضافہ کرتے ہیں مگر یہ بہر حال ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پچھلی دہائی میں 2001-02 کے جڑواں چوٹیوں کے بحران کے بعد جوہری ہتھیاروں میں اضافہ ہوا ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں کے بہترین تخمینوں کے مطابق اس دہائی

کے دوران پاکستان کے جوہری ہتھیاروں میں دوگنا اضافہ ہوا ہے، جو50-30 سے بڑھ کر 120-70 تک پہنچ گئے ہیں۔اس عرصے کے دوران این جی اوز کے اندازے کے مطابق بھارت کے جوہری ہتھیاروں میں نسبتا کم اضافہ ہوا ہے، جو کہ60-30 سے100-60 تک ہے[56]۔

بلاشبہ جوہری ذخیرے کا بحرانوں سے تعلق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امکان ہے کہ پاک بھارت جوہری جسامت کی منصوبہ بندی کافی عرصہ قبل کی گئی تھی اور اس فیصلے پر ان بحرانوں کا اثر نہیں ہوا ہے۔اس سے زیادہ امکان یہ ہے کہ بحرانوں کے علاوہ دیگر ایسے کئی عوامل ہیں جس سے اس عرصے میں ہونے والی پیش رفتوں کے باعث پاکستان کی مفروضہ ایٹمی ضروریات میں اضافہ ہوا ہے جیسا کہ امریکہ بھارت سول جوہری معاہدہ اور اس کے نتیجے میں نیوکلیئر سپلائرز گروپ کا اس کی توثیق کرنا۔ بھارت اور پاکستان کے مابین روایتی فوجی صلاحیتوں میں آنے والا خلا،اور نئی دلی کی جانب سے بیلسٹک میزائل ڈیفنس انٹرسپٹر کے تجربات بھی اہم عامل ہیں جنہوں نے پاکستان کو اپنے تخمینوں سے رجوع کرنے پر مجبور کیا ہے[57]۔ تاہم اگر غیر بحرانی رویے نے ایٹمی ضرورتوں کو مہمیز دی ہے، تو منطقی طور پر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جوہری ضرورتوں میں بحرانوں کے بعد اضافہ ہوا ہے..... خاص طور پر ان بحرانوں کے بعد جس میں جوہری سرگرمیوں میں اضافہ ہوا یا جن بحرانوں کے بعد حقیقی مسائل حل نہ ہو سکے۔اس منطق کو استعمال کریں تو وہ تین بحران جنہوں نے جوہری ضرورتوں میں اضافہ کیا اورجنہیں سٹیفن فلپ اور اس کی کتاب کے شریک مصنفین نے 'مرکب بحرانوں [58]' کا نام دیا،وہ ہیں1990 کا بحران، کارگل بحران اور جڑواں چوٹیوں کا بحران۔

مندرجہ بالا تجزیہ بھارت اور پاکستان دونوں پر ایک ہی شدت کے ساتھ لاگونہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ بطور کمزور فریق پاکستان..... جس کی معاشی اور روایتی فوجی صلاحیت ہر بحران کے بعد تیزی سے بھارت سے کہیں زیادہ دگرگوں ہوئی ہے..... کے پاس کہیں زیادہ وجوہات ہیں کہ وہ طاقت ور ہمسائے بھارت کے مقابلے میں ڈیٹرنس کے طور پر جوہری ہتھیاروں پر زیادہ انحصار کرے۔اگر یہ تجزیہ درست ہے اور اگر حالات کا رخ یہی رہتا ہے تو پاکستان کی جوہری ضرورتوں میں اضافے کا عمل جاری رہے گا۔ اور تب تک جاری رہے گا

جب تک پاکستان میں فوجی قیادت کے ہاتھ میں اس قسم کے فیصلے رہیں گے، جب تک وہ بھارت کو اپنا ازلی دشمن سمجھتے رہیں گے اور جب تک وہ آئندہ بحرانوں کو اکسانے والے عوامل پر پابندیاں لگانے کے حوالے سے نا رضامند رہیں گے۔

پاکستان کی جوہری ضروریات میں اضافے کے جواب میں بھارت کی جوہری ضروریات میں کیا اضافہ ہوتا ہے، یہ بھی ایک غیر طے شدہ امر ہے۔ بھارتی جوہری جدت کے پروگرام کی رفتار پاکستان کے مقابلے میں کہیں پرسکون ہے جو اس بات کا عندیہ ہے کہ دلی کے فیصلہ ساز ایٹم بم اور اس کے فوجی استعمال کے حوالے سے ابہام کی پالیسی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔2001 میں ایشلے ٹیلس کی کتاب شائع ہوئی جس میں مصنف نے بھارت کی جوہری پوزیشن کے حوالے سے ایک طویل اور غیر متعین شدہ تخمینہ پیش کیا۔ فاضل مصنف نے نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا کہ ''بھارت کے جوہری ہتھیار حقیقی جنگی ہتھیاروں کی بجائے ایک سیاسی آلہ ہیں جن کا مقصد مخالفین کے ذہنوں میں 'خبردار' رہنے کو پروموٹ کرنا اور اپنے اعتماد میں اضافہ کرنا ہے''[59]۔

گذشتہ پوری دہائی کو سامنے رکھیں تو اس رجحان میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ مغربی این جی اوز نے پاکستان کے جوہری ہتھیاروں کی تعداد کے حوالے سے جو تخمینے لگائے ہیں، وہ بھارتی اخبارات اکثر رپورٹ کرتے رہے ہیں۔ جنکے مطابق پاکستان کے جوہری پروگرام کی رفتار بھارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ علاوہ ازیں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز امریکی انٹیلی جنس کمیونٹی کے ایک اہلکار کا تخمینہ، جو نیٹو کی ایک خفیہ میٹنگ میں سامنے آیا، موجود ہے جس کے مطابق اس اہلکار کا کہنا ہے پاکستان اس وقت دنیا میں تیز ترین جوہری ہتھیار تیار کر رہا ہے[60]۔ پاکستان کی طرح چین بھی اپنے جوہری پروگرام کو ماڈرن کرنے کی رفتار بڑھا رہا ہے[61]۔ اگر نئی دلی ان رپورٹوں کے مطابق شدت سے ردعمل نہیں بھی دے رہا تو اس کے فیصلہ ساز بیرونی محرکات کے تحت ضرور شدت سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

نئی دلی کی اپروچ کے حوالے سے ٹیلس اپنی کتاب India's Emerging Nuclear Posture میں لکھتا ہے کہ اس وقت پاکستان کے مقابلے میں بھارت ہتھیاروں کی دوڑ نہیں بلکہ 'ہتھیاروں کی رینگ' کا طرز عمل جاری رکھے ہوئے ہے[62]۔ جیسا کہ ٹیلس نے پیش گوئی کی ہے کہ بھارت کے جوہری فیصلہ ساز ایک نپے تلے انداز میں اپنے ماڈرنائزیشن

پروگرام ،بیلسٹک اور کروز میزائل کا پروگرام جاری رکھے ہوئے ہیں، جس سے وہ بتدریج ایٹمی وار ہیڈ کے وہیکل تیار کر رہے ہیں۔ٹیلس کا یہ کلیہ پاکستان پر لاگو نہیں ہوتا جس کے جوہری فیصلہ ساز جوہری اور فوجی برتری کے خواہاں ہیں[63]۔ کئی پاکستانی لیڈروں نے اس ملٹری ڈاکٹران کا حوالہ دیا ہے جسے ''فعال دفاع (پروایکٹو ڈیفنس)'' کہا جاتا ہے۔مثال کے طور پر سابق پاکستانی صدر اور آرمی چیف نے آگسٹا سب میرین کی لانچ کے موقع پر جو بیان دیا، اسے دیکھ لیں ، جس میں انہوں نے کہا''ہماری ڈیٹرنس حکمت عملی دفاعی ہے، ہمارے کوئی ایسے عزائم نہیں کہ جائیں اور دشمن پر ہلہ بول دیں۔لیکن اگر ہم پر حملہ ہوتا ہے تو ہم اپنے دفاع کے لیے جارحانہ رویہ اختیار کریں گے''[64]۔ پاکستان، چین اور بھارت سرد جنگ کے معیارات کے مطابق جوہری حکمت عملی کو لے کر نہیں چل رہے بلکہ ان کی جوہری صلاحیتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، وہ اضافہ جس کی رفتار کوئی بھی محرک تیز تر کر سکتا ہے۔

فوجی امکانات کا حامل تشدد

پاکستان کے داخلی تشدد کو بیرونی عوامل نے خراب کیا ہے مگر اس کی جڑیں ان غیر حکیمانہ اندرونی فیصلوں میں پیوست ہیں جو ماضی میں کیے گئے اور جن کی تاریخ بہت پیچھے بھی نہ جائیں تو کم سے کم ضیا دور سے شروع ہوتی ہے[65]۔یہ تشدد بہت زیادہ اس وقت بڑھا جب پاکستان نے سوویت یونین کی شکست کے ذمہ دار عناصر (جنہیں ملک کا اثاثہ سمجھ لیا گیا تھا) کا رخ بعد میں ہمسایہ ملک بھارت کی طرف کر دیا۔ بعد ازاں کمزور حکومتوں،سماجی خدمات کی عدم دستیابی، بش انتظامیہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں وفاداریاں بدلنے اور پاکستانی افواج کی جانب سے پاکستان میں سرگرم گروہوں کے خلاف چنیدہ فوجی آپریشن کے باعث جو صورت حال بنی ، اس کی وجہ سے یہ ''اثاثے'' دردسر بن گئے ۔

وہ تشدد جو پاکستانی ، پاکستانیوں کے خلاف کر رہے ہیں ۔اب ایک المیے میں ڈھل چکا ہے اور شاید اس میں ابھی اور اضافہ ہو۔[پاکستان میں ہونے والے ہلاکت خیز حملوں کی تاریخ وار فہرست ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیے اس کتاب کا ضمیمہ نمبر4]۔تشدد کے یہ واقعات پاک بھارت بحران کا باعث نہیں بنے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خراب اندرونی صورت حال کے باعث جس میں پاکستانی سکیورٹی ایجنسیوں کو عسکریت پسند گروہوں سے نمٹنا پڑ رہا ہے ،

پاکستان کی فوج کی کوشش ہے کہ بھارت کے ساتھ گریز کی پالیسی اختیار کی جائے، بجائے اس کے کہ بھارت کے فوجی ردعمل کو جنگی حوالوں سے ابھارا جائے۔

یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ وہ گروہ جن کی پاکستان کی فوجی انتظامیہ سے گاڑھی چھنتی ہے انہوں نے وسیع پیمانے پر ہونے والے ہلاکت خیز حملوں کے حوالے سے پاکستان کو بھارت سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ ہر بحران کے بعد بھارت فورا ابھرا ہے اور اس کی معیشت کی شرح نمو میں بہتری آئی ہے۔ اس کے برعکس پاکستان ہر ہلاکت خیز حملے کے ساتھ اور نیچے گیا ہے اور اس کی معیشت بھی کمزور ہوئی ہے۔ نہ صرف معیشت بلکہ پاکستان میں سیاسی سطح پر بھی ابتری پھیلی ہے۔ ہر بڑے ہلاکت خیز حملے کے بعد جو پاکستانی شہریوں کی جانب سے بھارت کی زمین پر ہوئے اور بحران کا باعث بنے ، بھارت اور امریکہ کے آپسی تعلقات، بشمول باہمی فوجی تعلقات میں بہتری آئی ہے جبکہ پاکستان کے ساتھ تعلقات خراب ہوئے ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر ان ہلاکت خیز حملوں کے جواب میں بھارت نے پاکستان کو سزا دینے کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی، اگر یہ مفادات نہ مل رہے ہوتے تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔

برصغیر میں تشدد کا ایک اور ماخذ وہ بھارتی ہندو انتہا پسند گروہ ہیں جو پاک بھارت تعلقات کو معمول پر لانے کی کوششوں کو گمراہ کرنے کے خواہش مند ہیں یا جو پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ لنکس رکھنے والے گروہوں کے حملوں کا 'بدلہ' وہاں کے مسلمانوں سے لیتے ہیں۔ سمجھوتہ ایکسپریس پر بم حملوں جیسے ہندو انتہا پسند گروہوں کے حملے دوبارہ بھی ہو سکتے ہیں[66]۔ یہ حملے عموما بھارتی سرزمین پر ہوتے ہیں، نہ کہ پاکستانی علاقوں میں۔ ماضی میں اس طرح کے حملے طویل باہمی تعلقات کے انقطاع کا باعث نہیں بنے اور نہ ہی ان سے کوئی جنگی صورت حال پیدا ہوئی۔ لیکن اگر مستقبل میں ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے اس طرح کے مزید حملے یا پاکستانی علاقوں میں ایسے حملے ہوتے ہیں تو صورت حال مختلف شکل اختیار کرے گی۔

ایک اور پیچیدہ عامل جو فوجی گرما گرمی کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے موجود ہے وہ ہے بھارت میں ہونے والے مسلمانوں پر حملے..... یہ حملے بھارتی قومی سطح کے یا ریاستی سطح کے لیڈروں کے اشتعال انگیز فیصلوں یا افعال کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مثال کے لیے

دیکھیے 1992 میں ایودھیا میں بابری مسجد کی تباہی یا 2002 میں گودھرا میں ہونے والے فسادات[67]۔ مستقبل میں بھارتی مسلمان بھی اگر ہندوؤں کے خلاف اس طرح کے حملے کرتے ہیں تو ایسے حادثات وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ ایسے حملے، ہوسکتا ہے کہ پاکستان کے تعاون کے بغیر ہی ہوں یا پھر یہاں سے کچھ عناصر ان کی سرپرستی کریں۔ بھارتی حکام کو ایسی کسی صورت احوال کے حوالے سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا اور اگر کراس بارڈر حملے ہوتے ہیں تو بھارت کو جوابی کارروائی یا بدلے کی طرف راغب ہونے سے پہلے ایسے عناصر کی مکمل چھان بین کر کے انہیں عوام کے سامنے لانا چاہیے۔ بھارت کے سیکولر ڈھانچے یا پاکستانی ساخت میں اگر کسی قسم کی کوئی مزید خراش آتی ہے تو جنگی نوعیت کے حوالے سے غیر یقینی صورت حال دوبارہ بھی پیدا ہوسکتی ہے۔اسی طرح ہلاکت خیز حملوں کے مرتکبین کی شناخت کے حوالے سے غیر یقینی کا پہلو بھی اہم ہے جیسا کہ 2011 میں ممبئی حملو ں میں ہوا کہ اس دوران فیصلہ سازوں کو وقت مل جاتا ہے اور یہ اضافی وقت کرائسس مینجمنٹ کا اہم ترین پہلو ہے۔

بھارت یا پاکستان کے حساس مقامات پر کنٹرول کو کمزور کرنے کے لیے خفیہ آپریشنز کا آپشن استعمال کرنا بھی جنگی صورت حال کا باعث بن سکتا ہے۔ دونوں ملک اس حوالے سے بھی لمبی تاریخ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر بھارت کا کیس اس معاملے میں کافی مضبوط ہے، کیونکہ گذشتہ 25 سال میں پاکستان کی سکیورٹی انتظامیہ کی طرف سے بھرپور کوششیں کی گئی ہیں کہ مسلم اکثریت کے بھارتی علاقے ریاست جموں و کشمیر میں بھارتی کنٹرول کو کمزور کیا جاسکے۔ کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے اشتعال انگیز اقدامات کے حوالے سے نئی دلی کی اتحادی حکومتوں کی اکثریت کا مشورہ یہی رہا ہے کہ پاکستان کے ان اقدامات پر بھڑکنے اور فوجی اقدامات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس کی بجائے ان حکومتوں کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ خطرات بڑھانے کی بجائے کشمیر میں بغاوت اور تشدد کو علاقائی سطح پر قابو میں رکھا جائے۔حقیقت یہ ہے کہ جنگی صورت حال کو ہمیشہ راولپنڈی کی جانب سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ کشمیر میں دس سال تک بالواسطہ تشدد کو فروغ دینے کی کوششوں کے باوجود جب اسلام آباد نے دیکھا کہ کشمیر پر بھارت کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی تو اس قضیے کے براہ راست حل کے لیے کارگل کی چوٹیوں پر محاذ سجایا گیا۔ یہ خطرناک جوا جو کشمیر کے مسئلے کو

بین الاقوامی بنانے اور سفارت کاری میں برتر پوزیشن کے حصول کے حوالے سے کھیلا گیا، یہ بھی پاکستان کو الٹا پڑا کیونکہ اس اشتعال انگیزی کے باوجود نئی دلی نے ایک بار پھر فوجی گرما گرمی سے گریز کی پالیسی اختیار کی۔

جب نائن الیون کے امریکی سرزمین پر حملے کے بعد افغانستان کا مغربی بارڈر گرم ہو گیا تو پاکستان کی فوج اور سکیورٹی انتظامیہ کا فوکس مشرق سے ہٹ گیا۔ کشمیر کو تقسیم کرنے والی لائن آف کنٹرول پر سکون ہو گئی اور غیر روایتی حملوں کا رخ بھی بھارت کی بجائے کسی اور جانب ہو گیا۔ کشمیر میں مقامی سطح پر بھارتی طرز حکومت کے خلاف عدم اطمینان کے باوجود اس بے چینی کی فضا کو جنگی حدوں تک نہ لے جانے کی بھارتی کوشش جاری رہی تا کہ یہ مسئلہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ نہ بن سکے جبکہ دوسری طرف پاکستان کی پالیسی یہ رہی کہ دو محاذوں کو بیک وقت گرم نہ کیا جائے۔ کشمیر کے حوالے سے گریز کی یہ پالیسی کسی وقت بھی تبدیل ہو سکتی ہے کیونکہ پاکستان اور افغانستان میں بہت سی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ پاکستان میں کئی عناصر ہیں جو کشمیر کے محاذ کو دوبارہ گرم کر سکتے ہیں، اسی طرح بھارت بھی بلوچستان یا کمزور پاکستان کے دوسرے کسی علاقے میں اس قسم کی کارروائی کر سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی امکان ہے کہ شاید دونوں ملکوں کی حساسیتیں دونوں کو گریز کی پالیسی اختیار کیے رکھنے پر مجبور رکھیں۔

ایک تفصیلی تجزیہ برصغیر میں عدم استحکام اور تشدد کی کئی حوالوں سے تفہیم میں مددگار ہو سکتا ہے مگر تمام حوالوں سے نہیں.....تاہم اگر مستقبل کے حوالے سے پیش بینی کی جائے تو ایک عنصر ایسا ہے جو بڑے پیمانے پر فوجی سرگرمی کو انگیخت کر سکتا ہے اور وہ ہے بھارتی سرزمین پر ہونے والے ایسے بڑے پیمانے کے ہلاکت خیز حملے جس میں پاکستانی شہری ملوث ہوں۔ جوہری خطرے کے حامل گذشتہ بحران اس وقت وقوع پذیر ہوئے جب ہلاکت خیز حملے ہوئے جو پاکستانی اور بھارتی افواج کو جنگی تیاریوں کے حوالے سے الرٹ حالت میں لے آئے۔ یا پھر یہ اس وقت ہوا جب پاکستان میں ایک محدود فیصلہ ساز گروپ کی جانب سے کشمیر کی بھارتی جانب کے اہم علاقوں پر قبضے کی منصوبہ بندی کی گئی تا کہ پاکستان مذاکراتی عمل سے موافق نتائج حاصل کرنے کے لیے برتر پوزیشن میں آ جائے۔ اس طرح کا منظر نامہ بننا اب محال لگتا ہے۔ اگرچہ بھارتی لیڈروں کی جانب سے کچھ غلطیاں اب بھی

دہرائی جارہی ہیں مگر مجموعی طور پر وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ بھرپور فوجی قوت کے استعمال سے کوئی زیادہ فوائد حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فوجی موبلائزیشن، جیسا کہ براس ٹیک یا جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دور میں ہوئی اس سے جوابی فوجی موبلائزیشن کے عمل کو انگیخت ملے گی۔

پاکستانی فوجی قیادت اب بھی اپنی غلطیاں دہرانے کی صلاحیت تو رکھتی ہے تاہم وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ کارگل کی طرح کی کوئی اور ناکام مہم جو کا سوچے۔ اس طرح کی مہم جوئی اسلام آباد کو اور تنہا کردے گی اور متعدد شدید سیاسی، معاشی اور فوجی نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے[68]۔ اب اگر کوئی فوجی اقدامات ہوتے ہیں تو اس کی وجہ ہلاکت خیز حملے ہوں گے جن کے جواب میں بھارتی افواج پاکستانی علاقوں پر قبضہ یا کسی اور قسم کی تادیبی کارروائی کرسکتی ہے۔ اگر ایسا کوئی منظر نامہ وجود میں آتا ہے، تو یہ بھی کارگل اور جڑواں چوٹیوں کے بحران سے کم خطرناک نہیں ہوگا اور اس صورت میں بھی امریکی کرائسس منیجرز کو موبلائز ہونا پڑے گا۔

بحرانوں میں اعتمادسازی کے اقدامات کا کردار

پاکستان اور بھارت کے درمیان شدید نوعیت کے بحران کے دو قابل پیشگوئی نتائج سامنے آسکتے ہیں۔اولا باہمی اعتماد سازی کے اقدامات اور جوہری خطرات کم کرنے کے حوالے سے کیے جانے والے اقدامات کا خاتمہ اور دوم فوجی سرگرمی کو محدود رکھنے کے لیے امریکی اعلی عہدیداروں کا حرکت میں آنا۔ جیسا کہ پی آر شیری کا تجزیہ ہے:

''اگرچہ پاکستان اور بھارت کی فوجی انتظامیہ کے مابین 'ہاٹ لائن' موجود ہے، مگر براس ٹیک بحران کے کئی ہفتہ قبل یہ غیر فعال کر دی گئی تھی اور یوں تناؤ میں کمی کے حوالے سے ان کا کوئی کردار نہیں رہا تھا۔ یہ مان لینا قرین قیاس ہے کہ عدم اعتماد کی فضا میں ان کا کارگر رہ پانا مشکل ہوتا ہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ بھارت اور پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت میں کمیونی کیشن کی کمی آئی جو بحرانوں کے شدید ہونے میں اہم کردار کی حامل رہی جو ان سالوں کے درمیان ابھرے''[69]۔

بحرانوں کے بعد ہاٹ لائنز دوبارہ قائم ہوتی ہیں یا پھر ان کے کردار کا دوبارہ تعین کیا جاتا

ہے۔ مثال کے طور پر 1990 کے بحران کے بعد وزیراعظم چندر شیکھر اور نواز شریف مالی میں ہونے والے سارک سمٹ میں ملے جہاں ان کے مابین ڈائریکٹ ہاٹ لائن اور فارن سیکرٹریز اور ڈائریکٹرز ملٹری آپریشنز کے درمیان ہاٹ لائنز کے قیام پر اتفاق ہوا[70]۔ اس مکینزم کو مزید وسعت بھی دی گئی مگر یہ اقدامات بحران پیدا ہونے یا مسائل حل کرنے کے حوالے سے ناکام رہے۔

اعتماد سازی کے اقدامات (سی بی ایمز) اور جوہری خطرات میں کمی کے اقدامات (این آر آر ایمز) کے حمایتی اپنے سیاسی اور قومی سکیورٹی ایجنڈے کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں تبدیلی کرتے ہیں[71]۔ جب قومی لیڈر باہمی تعلقات کو نارمل کرنے کی خواہش کرتے ہیں یا سکیورٹی خدشات کو مدہم کرنا چاہتے ہیں، وہ ان اقدامات کے حوالے سے اس انتظام کو اشارہ دے دیتے ہیں۔ پیش رفت کے حوالے سے ٹھوس ارادے نہ ہونے کی صورت میں نئے سی بی ایمز اور این آر آر ایمز مذاکرات میں مفید ثابت نہیں ہو سکتے بلکہ پہلے سے ہوئی پیش رفت کو بھی ماند کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جب اچھے تعلقات کی خواہش خطرناک فوجی مشقوں کی وجہ سے شارٹ سرکٹ ہوتی ہے تو یہ اقدامات بحران سے بچنے اور جنگی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ کے سبرمنیم لکھتے ہیں: ''اس صورت حال میں اگر ہاٹ لائن قائم بھی ہوتی ہے تو اس طرح کی کمیونی کیشن کو کتنا قابل اعتماد گردانا جا سکتا ہے''[72]۔

راجہ مینن اس حوالے سے دلیل دیتے ہیں ''سی بی ایمز کے حوالے سے بہت کم محنت ہوتی ہے، زیادہ زور صرف سفارتی بیان بازی پر ہوتا ہے''[73]۔ یہ بیان شاید مبالغہ آمیز ہے۔ شدید بحرانوں میں کچھ سی بی ایمز معیار پر پورا اترتے ہیں (جیسا کہ جوہری صلاحیتوں کے حوالے سے سالانہ نوٹیفکیشن یا بیلسٹک میزائل کے تجربے سے قبل معلومات دینا) جبکہ کچھ اقدامات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے جیسے ہاٹ لائنز کا استعمال۔ تاہم اس حوالے سے مینن کی دلیل کو لیں تو وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ پاکستان اور بھارت کی اعلیٰ قیادت کی ان سی بی ایمز کے حوالے سے مدد یا تو جزوی رہی ہے یا پھر کبھی کبھار ہی وہ اس حوالے سے سنجیدہ ہوتے ہیں۔ متضاد سہی مگر قابل تفہیم ہے کہ سی بی ایمز کے حوالے سے اوپر سے نیچے تک حقیقی لہریں بحران کے دور کے خاتمے پر پیدا ہوتی ہیں مگر پھر اس عدم اعتماد کے باعث جو بحران

کے عرصے میں پنپ چکا ہوتا ہے بتدریج یہ لہریں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

اس حوالے سے ایک اہم رکاوٹ دونوں ملکوں کے ساختیاتی ڈھانچوں کا فرق بھی ہے، بھارت میں طاقت سویلین حکام کے ہاتھوں میں ہے جبکہ پاکستان میں طاقت کا منبع فوجی انتظامیہ ہے۔ بھارتی وزیراعظم اور پاکستانی آرمی چیف کے درمیان براہ راست ابلاغ شاذ ہی ہوتا ہے سوائے ان دنوں کے جب پاکستان میں اقتدار پر آرمی چیف متمکن ہو۔ معاملات میں مزید بگاڑ کی ایک وجہ پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی نوعیت بھی ہے، جو بھارت اور امریکی انتظامیہ کے لیے مشکل کھڑی کر دیتی ہے کہ وہ بحران کو کیسے حل کریں، اس کی واضح مثال کارگل کا بحران ہے۔ اس موقع پر وزیراعظم واجپائی نے پاکستانی وزیراعظم کے لیے جگہ پیدا کی اور یہ کہہ کر فوجوں کو واپس بلانے کا کہا کہ اس فیصلہ سازی میں وہ شریک نہیں تھے۔ اگر یہ حقیقت ہے جیسا کہ علائم بتاتے ہیں، تو پھر یہ بھی حقیقت تھی کہ فوجوں کی واپسی کا فیصلہ بھی نواز شریف فوجی حکام کی منظوری کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ دونوں وزرائے اعظم نے بیک چینل ڈپلومیسی کا جو راستہ نکالا تھا اس کی کامیابی کے مواقع محدود تر ہوگئے[74]۔ 1990 اور جڑواں چوٹیوں کے بحران کے حوالے سے دیکھیں تو پاکستانی اور بھارتی لیڈروں کے درمیان بیک چینل ڈپلومیسی کے بہت کم شواہد موجود ہیں۔

شدید بحرانوں میں پاکستان اور بھارت اور پاکستان کے اندر تقسیم موجود رہی ہے۔ یہ تقسیم اتنی وسیع اور ناقابل عبور ہے کہ سی بی ایمز اور این آر آر ایمز اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ صرف تکنیکی اور علامتی اقدامات، مسلسل، بھرپور اور طاقتور فریقوں کی منظوری کے ساتھ کیے گئے اقدامات کا متبادل نہیں ہو سکتے۔ کامیابی کے لیے ان عناصر کی عدم موجودگی شدید بحرانی ادوار میں ان سی بی ایمز کو عضو معطل بنا دیتی ہے۔ مثال کے طور پر بحرانوں میں ہاٹ لائنز کو غیر فعال کر دیا جاتا ہے جبکہ بیلسٹک میزائلوں کے تجربے اور اڑان کے لیے پیشگی نوٹس بھیجنے کے سلسلے کو جاری رکھا جاتا ہے۔ یہ صورت حال اعلیٰ سطحی تبادلوں اور باہمی مفادات یا غیر ارادی فوجی گہما گہمی سے بچنے کی توقعات کو کم کر دیتی ہے۔ انہی حالات کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے لیڈروں کے لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ براہ راست کرائسس منیجمنٹ کے عمل سے گزریں۔ بلکہ اس کی بجائے وہ واشنگٹن کی طرف دیکھتے ہیں جو 1990، کارگل، جڑواں چوٹیوں اور ممبئی بحران کے دوران اہم ترین کرائسس منیجر تھا۔

MashalBooks.org

امریکی کرائسس مینجمنٹ

براس ٹیک بحران کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان جو چار بحران پیدا ہوئے ان میں امریکی انتظامیہ کا جو کردار تھا اسے 'جنوبی ایشیا کے لیے پس پردہ' کرائسس منیجمنٹ کا نام دیا جا سکتا ہے۔پس پردہ رہ کر ادا کیا جانے والا یہ کردار اس مفروضے پر قائم ہے کہ کہیں بھارت ایک بار پھر ان دہشت گرد گروپوں کے بہکاوے میں نہ آجائے جو پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پاک بھارت بحرانوں کی تاریخ دیکھیں تو ان میں کچھ مشترک نکات بھی نظر آتے ہیں اور کچھ اختلافی بھی۔امریکی کرائسس منیجمنٹ کے فیصلہ ساز ایڈہاک بنیادوں پر نئی اور تازہ ترین پیش رفتوں کو ملحوظ رکھ کر آگے بڑھتے ہیں یا ان کے سامنے وہ اقدامات ہوتے ہیں جو ماضی کے بحرانوں میں جنگی صورت حال سے بچنے کے لیے اختیار کیے گئے تھے۔ واشنگٹن کی فیصلہ ساز قوتیں چند ہی سینئیر امریکی اہلکاروں کے ایک حلقے پر مشتمل ہیں ۔ ان کا تعلق سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے ہوتا ہے جبکہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ انحصار کرتا ہے ان رپورٹوں اور تخمینوں پر جو امریکی سفارتخانے انہیں روانہ کرتے ہیں۔انہی سفارت خانوں کے ذریعے ہی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ، وائٹ ہاؤس اور پینٹا گون کے پیغامات آگے روانہ کیے جاتے ہیں۔ واشنگٹن کے اس پس پردہ کردار کی کامیابی اور موثریت کا انحصار اس نتیجے پر ہوتا ہے جو بھارتی حکومت کا مطمع نظر ہوتا ہے یا وہ کونسی شرائط ہوتی ہیں جنہیں بھارت قبول کرتا ہے۔

بھارتی اہم اہداف پر جو بڑے ہلاکت خیز حملے ہوئے ، ان میں واشنگٹن کا فوری مقصد یہ ہوتا تھا کہ حملہ آوروں کی نشاندہی حوالے سے احتیاط برتی جائے اور اس حوالے سے وقت صرف کیا جائے،نئی دلی کے متحمل مزاج لوگوں کو آگے لایا جائے، پاکستانی حکام کو راغب کیا جائے کہ وہ ذمہ داری قبول کریں کہ حملہ آوروں کا تعلق انہی کی سرزمین سے تھا اور پاکستان کو ترغیب دی جائے کہ وہ فوجی سرگرمیوں کو جنگی حوالوں سے محدود رکھے۔ایسے حملوں میں فریق متاثرہ یعنی بھارت کا میڈیا اور عوام بھرپور اور مشتعل ردعمل دیتا ہے۔ دوسری چیز یہ کہ ان حملوں کے پیچھے کارفرما ارادے بھی واضح نہیں ہوتے۔گذشتہ بحرانوں کے دوران بھارتی فوج کے منصوبے دو محاذوں پر فل سکیل فوجی نقل وحرکت پر اپنی بنیاد رکھتے تھے ، جیسا کہ

پاکستان کے ساتھ پچھلی جنگوں کے دوران ہوئی۔ اس مکمل فوجی نقل وحرکت اور فوج کی موبلائزیشن کے لیے تین ہفتے کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ جس دوران امریکی حکام کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ زمینی حقائق کا اندازہ لگا لیں، دونوں ممالک کے عزائم سے آگاہی حاصل کر لیں اور اس دوران جب نئی دلی فوجی اور جنگی مصروفیات میں الجھا ہو سفارتی حل ڈھونڈے جائیں۔

اس وقفے کے دوران امریکی صدور کی جانب سے پاکستانی اور بھارتی لیڈروں کو پیغامات بھیجنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پیغامات عموماً سینئیر امریکی حکام لے کر آتے ہیں جن میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سینئر اہلکار، سیکرٹری یا ڈپٹی سیکرٹری آف ڈیفنس، یا چیئرمین آف جوائنٹس چیفس آف سٹاف، یا نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر یا پاکستان اور بھارت میں متعین امریکی سفیر شامل ہوتے ہیں۔ امریکی کرائسس منیجمنٹ کا اہم ترین پہلو یہی پیغامات کا تبادلہ اور سینئیر امریکی اہلکاروں کا خطے کا دورہ ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا اور اہم پہلو اہم ملکوں کی اہم شخصیات سے رابطے بڑھانا اور اس کے علاوہ یورپی یونین اور اقوام متحدہ کے اعلی عہدیداروں کو متحرک کرنا ہوتا ہے۔

بحران کی شدت کا اندازہ لگانے کا ایک معیار یہ ہے کہ کتنے ملکوں کے ڈپلومیٹ تناؤ کی شدت میں کمی لانے کے حوالے سے سرگرم ہوئے۔ 1990 کے بحران کے دوران ڈپٹی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر رابرٹ گیٹس اور نیشنل سکیورٹی سٹاف کے رچرڈ ہاس کی زیر قیادت امریکی وفد جنگی اقدامات میں تخفیف اور اعتماد سازی کے حوالے سے تجاویز لے کر آیا جو اس طرح کے بحرانوں کے تحفظ میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ گیٹس اور ہاس اس وقت یہاں پہنچے جب بحران اپنے نقطہ عروج سے نیچے آ چکا تھا مگر یہ حقیقت اپنی جگہ کہ ان کی کوششوں سے دونوں فریق تنازع سے کچھ مزید دور ہو گئے[75]۔ کارگل بحران کے دوران نمایاں بیرونی شخصیات کے دورے بہت کم رہے مگر صدر بل کلنٹن، ان کے سینئیر مشیروں اور دیگر غیر ملکی لیڈروں کے پاکستانی اور بھارتی لیڈروں کے ساتھ رابطوں میں کوئی کمی نہیں تھی۔ جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران اہم موقعوں پر سیکرٹری آف سٹیٹ کالن پاول، ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ آرمیٹج، اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کرسٹینا روکا اور ڈیفنس سیکرٹری ڈونلڈ رمز فیلڈ نے نئی دلی اور اسلام آباد کے دورے کیے۔ ممبئی حملوں کے بعد سیکرٹری آف سٹیٹ

کنڈولیزا رائس، ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ جان نیگرو پونٹے ، اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ بچر اور چیئرمین آف دی جوائنٹ چیفس آف سٹاف مائک مولن نے خطے کے دورے کیے۔

امریکی کرائسس مینجمنٹ کا ایک اور طرہ امتیاز غیر ملکی اہم شخصیات کے واشنگٹن کی تجاویز کو پراثر بنانے کے لیے دورے ہیں۔ جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران جن شخصیات نے خطے کے دورے کیے ان میں برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر (جنوری2002)، اسرائیلی وزیرخارجہ شمعون پیریز(جنوری2002)، چینی وزیراعظم ژورانگجی (جنوری2002)، اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان(جنوری2002)، روسی نائب وزیر اعظم Ilya Klebanov(فروری2002)، روسی وزیرخارجہ ایگور ایوانوف(فروری2002)، چینی وزیرخارجہ Tang Jiaxuan(مئی، جون اور جولائی2002)، چینی صدر ژیانگ ژمن(جو جون2002 میں قازقستان میں بھارتی اور پاکستانی لیڈروں سے ملے) اور روسی صدر ولادی میر پوٹن(جون2002) شامل تھے۔

غیر ملکی اہم شخصیات کے دوروں کو اگر بحران کی شدت کا معیار تصور کر لیا جائے تو2008 کے ممبئی حملوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والا جنگی بحران جڑواں چوٹیوں کے بحران سے کہیں کم رہا۔ممبئی حملوں کے فوراً بعد جن غیر ملکی اہم شخصیات نے پاکستان اور بھارت کے دورے کیے ان میں برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن(دسمبر2008)، چینی نائب وزیر خارجہ He Yafei(دسمبر2008 تا جنوری2009)، برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ(جنوری2009)، یورپی یونین کے ہاویے سولانا(جولائی2009)اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون(فروری2009)شامل تھے۔تاہم بیرونی اہم شخصیات کے یہ دورے بطور بحران کی شدت کے اشاریے فریب دینے کا سبب بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کارگل کا بحران جو جنگی حوالوں سے بہت زیادہ امکانات کا حامل تھا اس میں جڑواں چوٹیوں کے بحران کے مقابلے میں بیرونی شخصیات کے بہت کم دورے ہوئے۔کارگل بحران کے دوران بیرونی شخصیات کے کم دوروں کی ایک جزوی وضاحت یہ ہوسکتی ہے کہ پاکستان اور بھارت نے بہت جلدی بحران سے محدود پیمانے کی جنگ کی طرف پیش قدمی کر لی تھی۔دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے مابین بیک چینل ڈپلومیسی کا

MashalBooks.org

دروازہ بھی کھلا تھا۔

ایک اہم اور قابل ذکر پہلو بحران کے دور میں چین کی جانب سے پیغامات بھیجنے کا عمل بھی ہے۔ کارگل اور جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران چین اور بیجنگ کے درمیان مکمل ہم آہنگی کلنٹن اور بش انتظامیہ کی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ تھی۔ آرمی چیف پرویز مشرف اور وزیراعظم نواز شریف دونوں کارگل بحران کے دوران بیجنگ سے ٹھوس مفاد یا کم از کم سپورٹ کا ایک مضبوط اظہار حاصل کرنے چین گئے۔ مگر دونوں ہی وہاں سے مایوس لوٹے۔ جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران مشرف نے چین کے تین دورے کیے مگر اس بار بھی وہ انتباہی نصیحتیں لے کر ہی واپس لوٹے۔ چین پاکستان کا 'آزمایا ہوا دوست' ہوسکتا ہے مگر جب بھی برصغیر پر بحران کے سیاہ بادل چھائے تو جنگ سے گریز کے حوالے سے مشورہ دینے میں واشنگٹن اور بیجنگ شانہ بشانہ کھڑے دکھائی دیے۔[دیکھیے ضمیمہ نمبر 5، جس میں چین اور پاکستان کے درمیان بحران کے دور میں روابط کی تاریخ وار فہرست دی گئی ہے]۔

بحران کے دوران پاکستان کی توقعات کے حوالے سے چین کا نیم دلانہ ردعمل بہت کچھ بتاتا ہے۔ اس عرصے میں پاکستان کے نقطہ نظر اور چین کے نقطہ نظر میں مطابقت نہیں تھی، نہ ہی چین کی فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے بھارت کو غیر متوازن کرنے کے لیے کسی قسم کی غیر روایتی مدد کرنا منتخب کیا۔ بلکہ اس کے برعکس کبھی کبھار محتاط پبلک پیغامات بھیجے گئے۔ اہم استثنائی صورت دسمبر 1996 میں اس وقت بنی جب چینی صدر نے پاکستانی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کیا، جس میں انہوں نے ''دونوں ملکوں کے مابین تنازعات کو حل کرنے کے لیے باقاعدہ طریقے سے اختلافی نکات کی بجائے مشترک نکات تلاش'' کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ اس موقع پر چینی صدر نے کہا:

''ہمیں تنازعات کو وسیع تر تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ مرکزی منظر نامے کو ذہن میں رکھتے ہوئے کوشش کرنی چاہیے کہ موجود مسائل کو منصفانہ بنیادوں پر حل کرنے کے لیے مشورے اور مذاکرات کا راستہ اختیار کریں۔ اگر فی الوقت بعض مسائل ایسے ہوں جن کے حل کی کوئی صورت نظر نہ آرہی ہو، تو انہیں وقتی طور پر نظر انداز کرنا چاہیے تاکہ اس سے نارمل تعلقات کی راہ میں مشکلات پیدا نہ ہوں''(76)۔

بیجنگ کی بھرپور معاونت کے باوجود امریکی کرائسس منیجمنٹ کے لیے جنوبی ایشیائی بحران

چیلنجنگ ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ شدید بحرانوں میں جیسا کہ نیل جی اوک کہتا ہے:

''ٹامس شیلنگ کے الفاظ میں خطرے مول لینے کے حوالے سے پاکستان اور بھارت دونوں ہی مقابلہ بازی پر اتر آتے ہیں''(77)۔ جنگی صورت حال سے محفوظ رہنا اس وقت تو اور بھی مشکل ہوجاتا ہے جب بھارت اور پاکستان دونوں ہی اس ملٹری ڈاکٹران کی پیروی کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ جارحانہ قدم اٹھائے جائیں۔خطرے مول لینے کے رویے سے بچنے کی واحد حکمت عملی یہ ہے کہ مستقبل میں بحران پیدا نہ ہوں، مگر اس امر کو یقینی بنانے کے لیے لازم ہوگا کہ عسکریت پسند گروہوں کو قابو میں رکھا جائے، جن کی بحران پیدا کرنے والی خصوصیت اور فہم کو پچھلے بحرانوں سے تقویت ملی ہے۔سٹیفن کوہن اور اس کے ساتھی مصنفین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ سابقہ بحرانوں سے دونوں ملکوں کی فوجی اور سیاسی قیادت نے بہت کم سبق حاصل کیے ہیں''(78)۔ بھارت کے فوجی منصوبہ سازوں نے سابقہ بحرانوں سے جو بنیادی سبق حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی سیاسی قیادت کو زیادہ اور تیز تر سٹرائیک آپشن مہیا کیے جائیں۔

پاکستان کے حوالے سے البتہ یہ واضح نہیں ہے کہ اس کی فوجی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے سابقہ بحرانوں سے کیا اسباق حاصل کیے ہیں، تاہم ایک خامی جوان اداروں میں ہمیشہ موجود رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ قبل از بحران تخمینہ لگانے کے حوالے سے غلطیاں کرنے میں طرہ امتیاز رکھتے ہیں۔اگر راولپنڈی کو یہ احساس ہو جائے کہ بھارت کے ساتھ شدت پسندوں کے اکسانے پر جو بحران پیدا ہوئے ان میں زیادہ نقصان پاکستان کو ہی ہوا ہے تو وہ ان پیش بندی پر مبنی اقدامات کا تعاقب کرے گا جو بھارت کے ملٹری آپشنز کو محدود کریں۔مگر اس امر کے حوالے سے خاصے ٹھوس شکوک موجود ہیں کہ پاکستان کی سکیورٹی انتظامیہ اس حوالے سے پرعزم ہے یا اس کے پاس یہ صلاحیت ہو کہ وہ ان اسباق سے حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں قدم اٹھائے(79)۔

سبق حاصل کرنے یا نہ کرنے کے بظاہر ملے جلے نتائج وہ مضبوط بنیادیں فراہم نہیں کرتے کہ جن کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ مستقبل میں بحران پیدا نہیں ہوں گے(80)۔کانتی باجپائی نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''مستقبل میں فوجی تنازعات پیدا ہونے کا ٹھوس امکان موجود ہی نہیں بلکہ امکان غالب ہے'' جب تک پاکستانی افواج اور اس کے خفیہ

ادارے اپنی ''رسک اور نتائج کے حوالے سے غلط تشریحات'' کے اسیر رہیں گے[81]۔
غلط تشریحات، غلط خدشات، غلط تصورات اور خطرے کے حوالے سے مبالغہ آرائی کے لیے خام مال پچھلے بحرانوں سے حاصل ہوتا ہے[82]۔ مثال کے طور پر جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران نئی دلی اور راولپنڈی نے حاصلات اور خطرات کے حوالے سے غلط تصور اپنائے۔ بھارت کی جانب سے فوجوں کی بڑے پیمانے پر موبلائزیشن مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہی اور یہ موبلائزیشن اتنی خطرناک اور مبہم تھی کہ بھارتی وزیراعظم کو اسے عملی جامہ پہنانے میں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ کارگل بحران کے دوران بھی غلط تصورات قائم کرنے میں دونوں ملکوں نے ساجھے داری نبھائی۔ کارگل بحران کے حوالے سے بھارت پیش بینی کرنے میں ناکام رہا جبکہ دوسری طرف پاکستان (جیسا کہ نیل جواک نے اشارہ کیا) میں سینئر فوجیوں کے ایک محدود حلقے نے ''ایک جارحانہ جنگ کی منصوبہ بندی کی جو ایک غلط مفروضے پر بنیاد رکھتی تھی، انہوں نے تاریخ کا نامکمل مطالعہ کیا اور اس حوالے سے بھی ان کے مفروضے غلط ثابت ہوئے کہ بھارت اس کے جواب میں کیا ردعمل دکھائے گا''[83]۔ پیٹر لیوی بھی کارگل میں تباہ کن فیصلہ سازی کے حوالے سے تقریباً اسی نتیجے پر پہنچا:

''کارگل کے منصوبہ سازوں نے فرض کر لیا تھا کہ بھارت ان اقدامات کے جواب میں، جنہیں وہ ترجیحی زمینی پوزیشن کے حصول کی ایک مقامی فوجی مہم جوئی سمجھ رہے تھے، کوئی ردعمل نہیں دکھائے گا اور اگر وہ کوئی ردعمل دے گا بھی تو اتحادیوں کے ساتھ ملکر دباؤ کے ذریعے اس ردعمل کو تحلیل کر دیں گے۔ یقیناً ان کا یہ مفروضہ غلط ثابت ہوا''[84]۔

اس بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ کب کسی بحران کا آغاز یا نتیجہ فریقین میں سے کسی ایک کے لیے حیران کن ثابت ہوجائے۔ اور غلط مفروضے قائم کرنے کے عمل سے بچنا اس صورت میں مشکل لگتا ہے جب پاکستان اور بھارت کے مابین خلیج اتنی وسیع ہو اور جب تقسیم برصغیر سے تاحال ان کی باہمی رنجشوں میں کوئی کمی نہ آئی ہو۔

پیٹر لیوی نے تجزیہ کر کے جو نتیجہ نکالا وہ یہ ہے کہ غلط مفروضے اور متضاد مفادات دونوں جوہری صلاحیتوں کی حامل ریاستوں کے مابین لڑائی کی وجہ بن سکتے ہیں' مگر اس صورت میں جب دونوں کے مفادات داؤ پر نہ لگے ہوں[85]''۔ تاہم غلط اقدامات اور بحران ثانوی

مفادات کو بھی وائٹل مفادات میں بدل دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کارگل کے بحران میں بھارتی فوجیں اگر کارگل کی چوٹیاں واپس لینے میں ناکام رہتیں یا اگر پاکستان کی ہائی کمانڈ دخل اندازوں کو سپورٹ کرنے کا فیصلہ کر لیتی تو نئی دلی لازما مزید اور شدید قدم اٹھانے کا سوچتا اور یوں سٹیٹس کو بحال کرنے کا بھارت کا ثانوی مقصد وائٹل مفاد میں ڈھلتے کوئی دیر نہ لگتی۔

ڈیٹرنس کے نظریے کے حوالے سے رجائیت پسند کارگل بحران میں ایک محفوظ مقام کو تلاش کرتے ہیں۔ جیسا کہ سمیت گنگولی اور ڈیون ہیگرٹی کی دلیل ہے کہ ''اگر جوہری ہتھیار نہ ہوتے تو اولا تو پاکستان کارگل جیسی مہم جوئی کا خیال ذہن میں نہ لاتا، تاہم اگر یہ جوہری ہتھیار نہ ہوتے تو بھارت اس طرح پاکستان کی طرف سے لائن آف کنٹرول پامال کرنے کے عمل کے جواب میں جو تادیبی کارروائی کرتا وہ کئی گنا اور کہیں زیادہ شدید ہوتی''[86]۔ مگر کارگل معاملے کی وہ تفصیلات جن کی طرف کانتی باجپائی نے اشارہ کیا ہے انہیں دیکھیں تو اس کے برعکس نقشہ نظر آتا ہے: ''بھارت اس وقت مکمل طور پر فتح تک جنگ پر تلا ہوا تھا، چاہے اس کے لیے پوری فوجی طاقت استعمال کرنا پڑتی اور چاہے اس کے لیے پاکستان کی فضائی طاقت کے مقابلے میں بھارتی فضائیہ کو استعمال کرنا پڑتا''[87]۔ پیٹر لیوی کی کارگل کے حوالے سے کتاب Asymmetric Warfare in South Asia اور فیصلہ سازوں کے وہ انٹرویو جو ایس پال کپور نے لیے، وہ باجپائی کے نقطہ نظر کو زیادہ مضبوط ثابت کرتے ہیں[88]۔

اگر ان بحرانوں سے کوئی تعمیری سبق نہیں سیکھا گیا ہے تو لازمی سی بات ہے کہ بحران پھر بھی پیدا ہوگا۔ اب بھی بھارت میں کئی ایسے غیر محفوظ اہم اہداف موجود ہیں جن پر حملے کا خطرہ موجود ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں میں داخلی سکیورٹی کے ذمہ دار اداروں کی باقاعدہ ٹریننگ اور انہیں درست طور پر مسلح کرنے کے حوالے سے سستی اپنے عروج پر ہے۔ پاکستان کی ملٹری اور خفیہ ادارے اب بھی ملکی ساخت کے لیے موجود خطرات میں اندرونی ہاتھ تلاش کرنے کی بجائے 'بیرونی ہاتھ' ڈھونڈنے پر فوکس کیے ہوئے ہیں، وہ خطرات جنہیں اپنی پسند کے مطابق مخصوص انداز میں ڈیل کیا جاتا ہے۔ دونوں ملکوں میں موجود خودغرض اور ذاتی مفاد کے لیے سرگرم عناصر موجود ہیں جو باہمی تعلقات کے بہتری کے عمل کو ناقابل

اعتماد ہمسائے کا غیر مطلوب تحفہ سمجھتے ہیں۔ تعلقات کی بحالی کے لیے بھرپور اور مربوط کوششیں قسطوں میں ہورہی ہیں اور جب بھی اس حوالے سے کوئی پیش رفت ہوتی ہیں کوئی نہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہوکر ان کوششوں کو مجروح کر دیتا ہے۔ یہ تمام صورت حال ذہن میں رکھیں تو مستقبل میں برصغیر میں بحران کوئی اچنبھے کی بات معلوم نہیں ہوتی، ہاں البتہ آئندہ بحران کے خدوخال یقیناً مختلف ہوں گے۔

جیسا کہ سٹیفن کوہن اور شریک مصنفین اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ پاک بھارت گذشتہ بحران سنبھالے گئے ہیں، حل نہیں ہوئے۔ یہ بحران صرف اس وجہ سے ختم ہوئے کیونکہ دونوں ملکوں کی قیادت نے سوچا کہ ''اگر معاملات کو اور عروج کی طرف لے جایا گیا تو یہ خود اپنی ہی شکست کا باعث ہوں گے''[89]۔ یہ نتیجہ غیر مدلل نہیں ہے۔ جنگی صورت حال کے لیے بھی وہی وجوہات ہیں جو دوبارہ بحرانی صورت حال کے پیدا ہوجانے کی بارے میں دی جاسکتی ہیں..... کیونکہ غلط اندازے جب ایک بار بحران کا آغاز کر دیتے ہیں تو پھر رکتے نہیں بلکہ اور غلط اندازوں کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ غیر ارادی جنگی صورت حال سے حفاظت کے لیے اعتدالیہ (Buffer) اس وقت موجود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر دونوں ہی ملکوں کے درمیان بحرانی ادوار میں کمیونی کیشن ہوتا ہے نہ کسی قسم کی کوئی مشترکہ فوجی منصوبہ بندی[90]۔ ایک اور باعث تشویش امر جسکی طرف نیل جوآک اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ''بحران انسان میں فرار پسندی کے جذبات کو پیدا کرتا ہے اور انسانی ناکامیاں اچھی ججمنٹ کو نگل جایا کرتی ہیں''[91]۔

بحران اور کرائسس منیجمنٹ پر ایک اور عامل جو اثر انداز ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حکومتوں کی ساخت کیسی ہے اور معاملات پر ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔ ایک مضبوط حکومت ..... جیسے جڑواں چوٹیوں کے بحران اور ممبئی بحران کے دور میں بھارت میں تھی..... آسانی سے بحران کو جنگی جنون تک بھی لے جاسکتی ہے اور داخلی سیاسی انتشار کے نہ ہونے کی وجہ سے آسانی سے بحران کو ٹال بھی سکتی ہے۔ اسی طرح کمزور حکومت..... جیسا کہ 1990 کے بحران میں پاکستان اور بھارت میں تھیں یا جس طرح ممبئی بحران میں پاکستان میں تھی..... آسانی سے جنگی بھنور میں گرفتار ہوسکتی ہے۔ کمزور حکومتیں ایسے اقدامات بھی کرسکتی ہیں جو عداوت میں اضافہ کر دیں۔ دوسری طرف کمزور حکومتیں جنگی نوعیت کے بحران کو ٹالنے کا سبب بھی بن

جاتی ہیں (مثال کے طور پر پاکستان) اور تادیبی عمل کے حوالے سے غیر فیصلہ کن بھی رہتی ہیں۔

جنگی نوعیت کے بحرانوں میں حکومتی شخصیات کیا ردعمل دیتی ہیں اس کا انحصار کمزور یا طاقتور حکومتوں کی بجائے اس چیز پر ہوتا ہے کہ جنگ کے حوالے سے ان کے نفع اور نقصان کا تخمینہ کیا ہوتا ہے اور یہ کہ قومی لیڈروں کی اپنی شخصیت کس نوعیت کی ہے۔ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی اور منموہن سنگھ ذاتی طور پر ہردلعزیز شخصیات تھے اور کارگل ، جڑواں چوٹیوں اور ممبئی بحران کے دوران بھارت میں طاقتور حکومتیں قائم تھیں۔ کیونکہ ان بحرانوں میں نئی دلی متاثرہ فریق تھا اس لیے اس بات کے امکان موجود تھے کہ وہ کوئی جوابی تادیبی کارروائی کرتے۔ مذکورہ بحرانوں کے دوران تحمل کی پالیسی اختیار کیے جانے کے حوالے سے کئی عوامل کارفرما تھے۔ یقیناً جوہری صلاحیتیں بھی ایک مضبوط عامل تھا، مگر ان دونوں وزرائے اعظم نے بیان بازی سے گریز کا فیصلہ کیا اور کوشش کی کہ ایسے اقدامات نہ کئے جائیں جو باہمی تعلقات کے حوالے سے بہتری کے تمام دروازے بند کر دیں۔

شخصیت اہم ہوتی ہے کیونکہ یہ ترجیحات کو طے کرتی ہے۔ بھارت کے جوہری توانائی کمیشن کے سربراہ وکرم سارابھائی کی طرح وزیراعظم لال بہادر شاستری اور مراجی ڈیسائی بھارت کے جوہری پروگرام کے حق میں نہیں تھے۔ مگر جوہری بم کے حوالے سے اس کے بعد آنے والے حکمرانوں کی یہ سوچ نہیں تھی[92]۔ دنیا کی اس سب سے بڑی جمہوریت میں فیصلہ سازی کے عمل میں صرف چند ہی لوگ شامل ہوتے ہیں، جیسا کہ وی آر راگھون خیال ظاہر کرتا ہے کہ بھارت میں بعد ازاں پالیسی سازی کے حوالے سے بڑی نمایاں تبدیلیاں آئیں اور ''فیصلے وزیراعظم کے دفتر میں موجود محدود لوگوں کے ایک گروپ کے اجماع سے ہونے لگے''[93]۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کانتی باجپائی نے اپنی کتاب میں یہ نتیجہ پیش کیا کہ اگر مستقبل کی کوئی حکومت بی جے پی کے کسی زیادہ جارح مزاج شخص کی سرکردگی میں قائم ہوئی تو موجودہ کانگریسی لیڈر کے برعکس وہ پاکستان کے لیے بیان بازی، اور جوہری تجربات کے حوالے سے زیادہ شدید اپروچ کی حامل ہوگی[94]۔

پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں میں چیف آف آرمی سٹاف کے عہدوں پر جو فوجی افسر پہنچے وہ بھی حیران کن حد تک مختلف شخصیات تھے۔ ان میں سے تین نے جو خطرات مول لیے وہ

انتہائی سنگین بحران پر منتج ہوئے۔ ان میں سے ایک کے سندر جی تھے جو براس ٹیک میں ، مرزا اسلم بیگ جو 1990 کے بحران میں اور پرویز مشرف کارگل بحران میں اہم کردار ادا کرنے والے آرمی چیف رہے۔ جیسا کہ کے سبرامینیم نے لکھا ہے کہ ''جوہری ہتھیاروں کی فعال کمانڈ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے میں مرکوز ہے ، شاید اسی لیے پاکستان میں آرمی چیفس کی تبدیلی بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے جتنی سربراہان حکومتوں کی تبدیلی''(95) ۔بحران سے بچنے اور فوجی نقل وحرکت کے کنٹرول کے حوالے سے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف کی شخصیت بھی ایک اہم عنصر ہے۔

ایک اہم نتیجہ جو سٹیفن فلپ کوہن اور ساتھی مصنفین نے نکالا وہ یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے ہر اگلے بحران میں امریکی کرائسس منیجرز کا کردار بڑھا ہے(96)۔ اس پیش رفت کے مستقبل کے بارے میں البتہ کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ چین، روس، برطانیہ، اقوام متحدہ، یورپی یونین اور جاپان بھی کرائسس منیجمنٹ کے ڈرامے میں اہم معاون کردار ادا کرتے رہے ہیں مگر ان میں سے کسی کے بھی کنکشن اتنے زیادہ اور گہرے نہیں کہ وہ اس حوالے سے کوئی مرکزی کردار ادا کرتے۔ 1990 کے بحران سے ممبئی بحران تک یہ صرف امریکہ تھا جس نے ایماندار بروکر اور ناگزیر کرائسس منیجر کا کردار نبھایا ہے، اور یہ وہ عمل ہے جو آئندہ کے بحرانوں میں کرائسس منیجمنٹ کے مظہر کو مزید پیچیدہ کرے گا۔

امریکی کرائسس منیجمنٹ کی کوششوں پر تحدید کے حوالے سے ایک اہم عنصر وہ طریقے ہیں جو بحران سے قبل تناؤ کو تحلیل کرنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، جنہیں اب جاری رکھ پانا مشکل ہوگا یا جسے مشکوک سمجھا جائے گا۔ ماضی میں اگر امریکی خدمات کے حوالے سے دیکھیں تو جو اہم کردار اس نے ادا کیا وہ یہ تھا کہ وہ زمینی حقائق کی وضاحت کے ذریعے بین الاقوامی سطح پر پھیلے مبالغہ آمیز خطرے کے تخمینوں کو، خاص طور پر پاکستان کی طرف سے ، مدہم کرنے کے حوالے سے تھا۔ مثال کے طور پر 1990 کے بحران کے دوران امریکی ملٹری اتاشیوں کو پاکستان اور بھارت میں ان علاقوں کے دورے کی اجازت دی گئی جو ممکنہ میدان جنگ ہو سکتے تھے ، تاکہ وہ یہ تصدیق کر سکتے کہ وہاں جنگ کی تیاریاں نہیں ہو رہی تھیں۔

MashalBooks.org

اس مقصد کے لیے پاکستان میں امریکہ کا اتاشی امریکی فضائیہ کے ایک جنگی جہاز کو بھی استعما ل کرتا رہا۔ رپورٹوں کے مطابق اس کا مطلب یہ تھا کہ امریکہ کی ٹیکنالوجی بھی گذشتہ بحرانوں کے دوران استعمال ہوئی ہے اور مبالغہ آمیز اور غیر مطلوب خدشات کی شدت کو کم کرنے کے لیے معلومات کا تبادلہ بھی ہوا ہے(97)۔

اب امریکہ کے لیے یہ مشکل ہوتا جارہا ہے کہ وہ انٹیلی جنس تخمینوں کے حوالے سے ایماندار بروکر اور مخلص ثالث کے کردار کو مزید نبھا سکے ۔ ہر گزرتے بحران کے ساتھ پاک امریکہ تعلقات میں فاصلے جب کہ بھارت امریکہ تعلقات میں نمایاں پیش قدمی ہوئی ہے۔ پاکستانی علاقوں میں القاعدہ اور طالبان کے لیڈروں اور ان کے متعلقین کے تعاقب، ڈرون حملوں، پاکستان اور امریکہ کے خفیہ اداروں کے مابین پرخاش اور افغانستان کے مسئلے کے حل کے حوالے سے امریکی اور پاکستانی انتظامیہ کے اتاولے پن کی وجہ سے امریکہ کی پاکستان میں قبولیت میں اچھی خاصی کمی آئی ہے۔ان مظاہر کو جب بھارت کے ساتھ امریکہ کے فروغ پاتے تعلقات .....بشمول امریکہ بھارت سول نیوکلیر معاہدہ، ڈیفنس ٹیکنالوجی کا تبادلہ، ہتھیاروں کی فروخت اور مشترکہ فوجی مشقیں .....کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو پاکستان کی نظر میں واشنگٹن اب دیانتدار بروکر کا مقام کھو چکا ہے۔علاوہ ازیں امریکہ کے حوالے سے پاکستان میں بڑھتی حساسیت کے باعث پاکستان بحرانوں کی تحلیل کے حوالے سے امریکی عملے اور ساز وسامان کے استعمال کی اجازت بھی بند کردے گا..... وہ اجازت جو امریکہ کو 1990 کے بحران کے دوران حاصل تھی۔

ممبئی بحران کے خاتمے کے لیے واشنگٹن کی جانب سے بالواسطہ ذرائع استعمال کیے گئے ، جیسا کہ ایف بی آئی کی فورینزک رپورٹیں اور اس طرح کی دیگر معاونتیں تاکہ ان حملوں کا پاکستان سے تعلق واضح کیا جا سکتا۔ اس طرح کے اقدامات جو نئی دلی کے لیے مددگار اور راولپنڈی اسلام آباد کے لیے تکلیف دہ ہوں مستقبل کے بحرانوں میں بھی اٹھائے جا سکتے ہیں۔ پاک امریکہ تعلقات میں آنے والی یہ ابتری آئندہ بحرانوں میں پاکستان کے لیے مشکل ثابت ہوسکتی ہے جب گذشتہ بحرانوں میں اہم ترین کرائسس منیجر کے کردار کو نبھانے والے اہم ترین عامل کو سیاسی طور پر قابل قبول یا خوش آمدید نہیں کہا جائے گا۔ایک اور اہم ترین سوال جو برصغیر کے آئندہ بحرانوں کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے اور جس کا جواب دینا

مشکل ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ بھارت کے بہتر تعلقات آئندہ بحران میں پاکستان کی فوجی اور انٹیلی جنس انتظامیہ کے لیے موجود چوائسز پر کیا اثر پڑے گا۔

امریکی کرائسس مینجمنٹ کے حوالے سے ایک اور پیچیدگی یہ بھی موجود ہے کہ نئی دلی شاید اب ان وعدوں کو قبول نہ کر سکے جو دوران بحران پاکستانی قیادت کی طرف سے کیے جاتے ہیں اور واشنگٹن کے ذریعے انہیں بھارتی قیادت تک پہنچایا جاتا ہے۔ ماضی کے بحرانوں کو ذہن میں لائیں تو یہ تمام وعدے عارضی نوعیت کے محسوس ہوتے ہیں، مثال کے طور پر جڑواں چوٹیوں کے بحران کے پہلے عروج کے دوران قومی ٹیلی ویژن پر آ کر صدر مشرف نے یہ عہد اور اعلان کیا کہ ''کشمیر کے نام پر کسی بھی تنظیم کو دہشت گردانہ کارروائیوں کی اجازت نہیں دی جائے گی''.....اسی بحران کے دوسرے عروج کے دور میں امریکی ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ آرمیٹج نے اسلام آباد کا دورہ کیا اور مشرف سے یہ عہد لیا کہ لائن آف کنٹرول سے 'مستقل طور پر' کراس بارڈر فلٹریشن کو ختم کیا جائے گا، اس کے بعد آرمیٹج بھارت گئے اور بھارتی قیادت کے سامنے پبلک میٹنگ کے دوران ان وعدوں کا ذکر کیا۔ ان دونوں وعدوں سے متعلق بھارتی اہلکار تشکیک کا شکار تھے تاہم انہوں نے ان وعدوں پر اعتماد کیا اور انہیں طویل، خطرناک اور غیر ارادی بحران کو ٹالنے کے لیے استعمال کیا(98)۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ آیا آئندہ کسی بحران میں جو بھارتی اہداف پر بڑے ہلاکت خیز حملے کی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے، اس طرح کے وعدوں کو قبول کیا جائے گا یا ایسے وعدوں کا مطالبہ بھی کیا جائے گا کہ نہیں۔ کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان وعدوں کی ساکھ مجروح ہوئی ہے اور نہ ہی پاکستان کی جانب سے انہیں ایفا کیا گیا ہے۔ایک ہی چیز البتہ قابل بھروسہ اور تعمیری عزائم کی نقیب ہو سکتی ہے اور جس کا حصول مشکل ہے ..... وہ یہ کہ پاکستان داخلی طور پر ان تمام شدت پسند تنظیموں کے خلاف ایکشن لے جو بھارت میں جا کر اپنی کارروائیاں کرتی ہیں۔ اور پاکستان اور بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے مابین تعاون بڑھے..... ۔ان اقدامات کی عدم موجودگی میں، نئی دلی کے خطرے اور مفاد کے تخمینے سے شاید وہ نتیجہ سامنے نہ آئے جو پچھلے بحرانوں کو دوران سامنے آیا۔ایک اور اہم سوال جس کا اس وقت جواب دینا مشکل ہے کہ بھارت امریکہ کے تعلقات میں آنے والی بہتری بھارتی چوائسز پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔امریکہ کے حکومتی اہلکاروں کا ماننا ہے کہ ان تعلقات

کی وجہ سے ممبئی بحران پر قابو پانے میں بڑی مدد ملی تھی۔

نتیجہ

1991 میں ایک کتاب شائع ہوئی، مصنف تھے سٹیفن فلپ کوہن ، اس کتاب میں انہوں نے لکھا ''بھارت امن قائم نہیں کر سکتا اور پاکستان جنگ نہیں کر سکتا''(99)۔ اس مضمون میں بحرانوں کے جس سلسلے کا تجزیہ کیا گیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ صورت حال سٹیفن کوہن کے بیان سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر کہ پاکستان میں کسی پارٹنر کی عدم موجودگی میں بھارت امن پیدا نہیں کر سکتا اور پاکستان میں اس طرح کا پارٹنر صرف اسی صورت میں موجود ہوسکتا ہے اگر راولپنڈی میں خطرات کا تجزیہ کرنے والے اپنے رویے میں نمایاں تبدیلیاں لے آئیں یا پاکستان میں سول ملٹری تعلقات بدل جائیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ روایتی جنگ لڑنے کے پاکستان کے آپشنز آہستہ آہستہ محدود ہوتے جارہے ہیں۔ تاہم اس کے علاوہ کچھ آپشن بہر حال موجود ہیں جو جنگی صورت حال پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

پاکستان آرمی کی جانب سے1999 میں کشمیر میں سٹیٹس کو کو تبدیل کرنے کے حوالے سے کچھ پیش رفتیں ہوئیں، جسکا نتیجہ جنگ کی صورت میں نکلا اگرچہ یہ جنگ جوہری حد کے اندر رہی۔تشدد پسندوں کی جانب سے کیے جانے والے حملوں، جو گذشتہ دو دہائیوں سے برصغیر میں عام ہیں، نے2001-02 میں بھی ایک شدید بحران کی راہ ہموار کی تھی۔ یہ مضمون اس حوالے سے لکھا گیا کہ مستقبل میں بھی اس نوع کے بحرانوں کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا اگرچہ ممبئی بحران جنگی جنون تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

اب جب بھی برصغیر میں کوئی شدید بحران جنم لے گا تو اس کی خاص بات یہ ہوگی کہ روایتی جنگی صلاحیتوں کی حوالے سے بھارت کی پوزیشن برتر ہوگی جبکہ جوہری توازن پاکستان کے حق میں ہوگا اور یوں ایک غیر مساوی صورت حال بن جائے گی۔ علاوہ ازیں پاکستان میں آگے جو سول حکومتیں قائم ہوں گی ان کی فوجی حکام اور انٹیلی جنس حکام کے فیصلوں پر رٹ بھی کافی کمزور ہوگی۔ آئندہ کی کسی ترغیب انگیز صورت حال میں بھارتی حکومت جوہری حد کے اندر کسی فوجی اقدام کا فیصلہ بھی کر سکتی ہے یا اس کے برعکس بھی۔ اگر جوابی فوجی

MashalBooks.org

اقدامات بھارت کی جانب سے ہوتے ہیں تو یہ پاکستان کی ملٹری اسٹیبلشمنٹ کے لیے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں یا یہ خطرناک فوجی اور سیاسی پیش رفتوں کی وجہ بھی بن سکتے ہیں۔ اس سارے منظر نامے میں بدترین صورت جوہری ہتھیاروں کا استعمال ہے،..... جو حادثاتی طور پر ہو، غلط تخمینوں کی بنیاد پر ہو، کمانڈ اور کنٹرول سسٹم پر قابو نہ رکھنے کی صورت میں ہو یا منصوبہ بندی کے ساتھ ہو.....جس کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اگرچہ ڈرامائی انداز اختیار کیا جاتا ہے مگر اس مفروضے کو بالکل رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یقیناً آئندہ کسی بحران کی تحلیل کے حوالے سے واشنگٹن اپنا کردار ادا کرے گا مگر امریکی کرائسس منیجمنٹ کی کتاب کے کچھ صفحات یقیناً پھٹ چکے ہیں جو آئندہ بحرانوں میں موثر طور پر استعمال نہ ہو پائیں گے۔ ستمبر 2011 کے امریکی سرزمین پر ہونے والے حملوں اور اس کے فوری بعد ہونے والے جڑواں چوٹیوں کے بحران کے بعد دونوں ملکوں پاکستان اور بھارت کے حالات بھی بدلے ہیں اور دونوں ملکوں کے امریکہ کے ساتھ تعلقات میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ امریکی کرائسس منیجمنٹ کی ان مختلف حالات میں موثریت کا تخمینہ لگانا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ جو چیز یقین سے کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ برصغیر میں اب جو صورت حال بن چکی ہے وہ ڈیٹرنس کی بنیاد پر قائم مفروضے کے حوالے سے سازگار نہیں ہے۔ عدم استحکام کے پریشان کن ماخذ ابھی تک موجود ہیں بلکہ ان میں اضافہ ہو رہا ہے، خاص طور پر اس حوالے سے پاکستان کی داخلی کمزوریاں تو واضح ہیں۔ اب واشنگٹن کی کرائسس منیجمنٹ کی کوشش یہ ہوگی کہ کسی ناخوشگوار حادثے کے نتیجے میں بحرانی کیفیت کے پیدا نہ ہونے پر توجہ دی جائے۔ فوجی اقدامات کی روک تھام کے لیے پاکستان ہو بھارت ہو یا امریکہ.....کوئی ٹھوس اور طے شدہ اصول وضوابط بہر حال موجود نہیں ہیں۔

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر1

جنوبی ایشیائی بحرانوں کی ساخت

براس ٹیک سے ممبئی تک

سیموئیل بلیک(1)

ایڈیٹر کا نوٹ:

پاکستان اور بھارت کے مابین بحران شیکسپیئر کے ڈراموں کی طرح پانچ ایکٹ میں اپنا اظہار کرتے ہیں۔ پہلا ایکٹ ابتدائی اشارہ ہوتا ہے ان سنگین مصیبتوں کا جنہیں بعد میں آنا ہوتا ہے..... اس کے بعد باری آتی ہے خوف زدہ کردینے والے نتائج کی۔ سرکاری حکام اور انٹیلی جنس کمیونٹی کے پیشہ ور افراد کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ قبل از بحران تکلیف دہ پیش رفتوں کی شناخت کریں اور خطرات سے متعلق انتباہ مہیا کریں تا کہ قومی سطح پر فیصلہ سازی سے متعلق لوگ فیصلے کرسکیں۔ دوسرا ایکٹ کسی ابتدائی سانحے سے شروع ہوتا ہے جو بحران کے حوالے سے عوامی سطح پر ایک لہر پیدا کرتا ہے۔ تیسرا ایکٹ تب شروع ہوتا ہے جب مخالف قوتیں ابتدائی حادثے کے بعد فوجی نوعیت کی سرگرمیوں کو بڑھا دیتی ہیں۔ چوتھا ایکٹ بحران کے عروج کا دور ہوتا ہے جس میں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ حالات کس طرف جائیں گے۔ پانچواں ایکٹ عقد کشائی کا دور ہوتا ہے جس میں جنگ ٹل جاتی ہے یا جنگی کارروائی کے آپشن کو رد کر دیا جاتا ہے۔ جزوی طور پر جنگ کے ٹل جانے کے اس مرحلے میں امریکی کرائسس منیجمنٹ اپنا کردار ادا کرتی ہے مگر اہم ترین کردار یقیناً بھارت اور

MashalBooks.org

پاکستان کے لیڈروں کی ترجیحات کا ہوتا ہے جو ناقابل کنٹرول فوجی یا جنگی کارروائی سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ ڈرامہ المیے میں اس وقت ڈھلتا ہے جب تیسرے ایکٹ میں بڑی تعداد میں فوجیں جمع کر لینے کا قدم اٹھا لیا جاتا ہے۔ یہ عمل اس بات کا عکاس ہوتا ہے کہ اس جنگ کا ارادہ کر لیا گیا ہے جسے دونوں ملکوں کی لیڈر شپ کنٹرول میں نہیں رکھ سکتی۔ اگر تیسرے ایکٹ میں فوجیں جمع کر لینے کا عمل کر لیا جائے تو چوتھا اور پانچواں ایکٹ مختلف انداز میں رونما ہوتا ہے۔ فی الوقت صورت حال یہ ہے کہ نہ تو جنوبی ایشیائی ایٹمی بحران حل ہوسکا ہے اور نہ ہی کوئی بڑا المیہ نتیجے کے طور پر ابھر کر سامنے آسکا ہے۔ سیموئیل بلیک کے اس ضمیمے میں 1986-87 کے براس ٹیک بحران، 1990 کے مرکب بحران، 1999 کے کارگل کرائسس، 2001-02 کے جڑواں چوٹیوں کے بحران اور 2008-9 کے ممبئی بحران کی ساخت کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

MashalBooks.org

براس ٹیک کرائسس

تمہید اور پیش واقعہ

بھارت اور پاکستان دونوں ملک ہی عام طور پر موسم سرما میں بڑے پیمانے کی فوجی مشقیں منعقد کرتے ہیں۔1980 کی دہائی میں بھارت نے سالانہ بنیادوں پر فوجی مشقوں کے انعقاد کی روش شروع کی، ہر تین سال بعد بڑے پیمانے کی فوجی مشقیں بھی پروگرام میں شامل کی گئیں۔1983 کی ڈگ وجے مشقوں کی ہی طرز پر براس ٹیک مشقوں کی انعقاد ہوا۔ڈگ وجے کے طرح براس ٹیک مشقیں بھی بھارتی ریاست راجستھان کے شمالی بارڈر پر منعقد کی گئیں۔مشینی اور ٹینکوں کی جنگ کے حوالے سے مشق کے لیے یہ صحرائی علاقہ موزوں تھا کیونکہ ایک تو یہاں آبادی زیادہ گنجان نہیں، دوسرا یہ علاقہ زیادہ زرعی بھی نہیں کہ فوجی مشقوں کی صورت میں مقامی آبادی کے لیے زیادہ مشکلات پیدا کرتا۔ علاوہ ازیں راجستھان پنجاب کا یہ سرحدی علاقہ قبل ازیں بھی بھارت اور پاکستان کے مابین کارزار جنگ رہ چکا ہے۔[2]

آپریشن براس ٹیک چار مرحلوں پر مشتمل تھا۔براس ٹیک اول مشقوں میں شمالی، جنوبی اور مغربی کمانڈز شامل تھیں۔یہ مشقیں مئی اور جون1986 میں منعقد ہوئیں۔یہ نقشہ جاتی مشقیں تھیں جو جولائی کے آخری حصے میں دلی میں منعقد ہوئیں۔[3] براس ٹیک دوم مشقیں نومبر میں منعقد ہوئیں۔ ان مشقوں میں کمپیوٹرائزڈ وار گیمز کے استعمال کے ذریعے بھارت کی زمینی اور فضائی فوجوں نے مشق کرنا تھی۔منصوبے کے مطابق ان مشقوں کے فورا بعد براس ٹیک سوم مشقیں شروع ہوئیں جو دسمبر کے پورے مہینے میں جاری رہیں۔ان میں وہ مشقیں شامل تھیں جو ڈویژن اور اس سے زیادہ فوجی دستوں کی جنگی موبلائزیشن اور فوجی آپریشن کی

صورت میں سپورٹ کے لیے مختلف ایکسرسائزز کی صورت میں ہوئیں۔مختلف رپورٹوں کے مطابق ان مشقوں کا مقصد ''فوج کو ان مہارتوں اور سٹینڈنگ آپریٹنگ آپریشنز کی تربیت دینا تھا جو مختلف حوالوں مثلاً کمیونی کیشن، الیکٹرانک وارفیئر اور بری و بحری دونوں انواع کی جنگوں کے حوالے سے مخصوص تھیں''(4) ۔ براس ٹیک چہارم مشقیں فروری اور مارچ 1987 میں ہونا قرار پائیں ..... اس فیز میں تمام سابقہ جنگی مشقوں کی مجموعی طور پر مشق کا اعادہ کیا جانا تھا۔اور یہ وہ مشقیں تھیں جو شمالی اور جنوبی فوجوں کے درمیان لڑائی کا سبب ہو سکتی تھیں (شمالی اور جنوبی فوجیں بالترتیب بھارت اور پاکستان کی نمائندگی کرتی ہیں)۔متوقع خطرے کے مقام کی حدیں 160 سے240 کلومیٹر کے اس وسیع علاقے پر مشتمل تھیں جو انٹرنیشنل بارڈر کے متوازی وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر براس ٹیک میں دو مسلح ڈویژن افواج، مشینی افواج کی ایک ڈویژن اور چھ انفینٹری ڈویژنز شامل تھیں۔موخرالذکر دو کو بعد میں دو انفینٹری اور ایک مشینی بریگیڈ میں بدلا جانا تھا..... اس فارمیشن (تشکیلی ڈھانچہ) کو ری آرگنائزڈ آرمی پلینز انفینٹری ڈویژن یاRAPID کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (5)

بعض بھارتی لیڈر براس ٹیک کو ڈگ وجے فوجی مشقوں کا تسلسل سمجھ رہے تھے ۔ اور چونکہ پاکستان نے ڈگ وجے مشقوں کے جواب میں زیادہ شدید ردعمل نہیں دکھایا تھا بلکہ سرسری انداز میں ان مشقوں کو لیا تھا اس لیے نئی دلی میں موجود لوگوں کا خیال یہ تھا کہ براس ٹیک کے حوالے سے بھی راولپنڈی کا ردعمل ڈگ وجے کی طرح ہی ہو گا۔اس کے علاوہ ان لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ ان مشقوں کو جنگی مشقوں کے طور پر نہیں لیا جائے گا کیونکہ مشقوں کا علاقہ مرکزی آبی گزرگاہ اندرا گاندھی نہر کی دوسری جانب تھا..... جسے پار کرنے کے لیے بھارتی فوج کو پل کی ضرورت پڑنا تھی جبکہ اس مناسبت سے بھارتی افواج نے پل کی تعمیر کے حوالے سے مطلوب سامان کو ان مشقوں میں شامل نہیں کیا تھا۔(6)

آپریشن براس ٹیک کے حوالے سے راولپنڈی بہر حال مطمئن نہیں تھا کیونکہ یہ مشقیں ڈگ وجے سے کہیں زیادہ بڑی اور لمبے عرصے پر محیط تھیں۔ راولپنڈی ان مشقوں کو مہم جو اور خطرے مول لینے والے بھارتی آرمی چیف جنرل کے سندر جی کے حوالے سے بھی دیکھ رہا تھا۔ براس ٹیک کو اس حوالے سے ترتیب دیا گیا تھا جس کے ذریعے نئی جنگی تزویرات اور

نظریات یعنی جارح مشترکہ مسلح آپریشن بشمول RAPID فارمیشن کا استعمال، متعارف ہونا تھا اور اس کے قابل عمل ہونے کا تخمینہ لگایا جانا تھا۔ اس مقصد کے لیے ریل کے ذریعے ان علاقوں میں جہاں مشقیں ہورہی تھیں، بہت سا اسلحہ بشمول ٹینکوں کی قابل ذکر تعداد اور مشینی گاڑیوں کو بھی لایا گیا۔

علاوہ ازیں براس ٹیک مشقوں کا زمانہ بھی پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے پرآشوب دور تھا۔ یہ مفروضہ محکم تر ہو چکا تھا کہ پاکستان جوہری صلاحیت کے حصول کے قریب پہنچ چکا ہے۔ بھارتی اور بعد ازاں پاکستانی فوجوں نے اس کے بعد غیر فوجی سیاچن گلیشیر پر اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں جو بعد میں دنیا کا بلند ترین محاذ جنگ قرار پایا۔ اس سے بھی اہم ترین عمل یہ ہوا کہ بھارتی ریاست جموں وکشمیر میں پاکستانی حمایت یافتہ علیحدگی پسند تشدد پھوٹ پڑا، جیسا کہ ایک اور حساس علاقے بھارتی پنجاب کے معاملے میں ہوا تھا۔ سرحد کی پاکستان کی طرف، سندھ میں لسانی ٹینشن عروج پر تھی اور مسلسل بڑھ رہی تھی۔ پاکستان نے اس اندرونی بے چینی میں 'بیرونی ہاتھ' کے ملوث ہونے کے حوالے سے شدید احتجاج کیا۔ دوسری طرف افغانستان میں پاک امریکہ حمایت یافتہ جہاد بھی اپنے عروج پر تھا۔ پورا خطہ ان دنوں کشیدہ صورت حال کا شکار تھا، دشمنیاں بڑھ رہی تھیں..... یہ وہ صورت حال تھی جو پاکستان کے عدم اعتماد کو جواز بخش رہی تھی۔

آپریشن براس ٹیک کے چوتھے مرحلے کے حوالے سے بھارت کی تیاریاں اس بحران کے لیے تمہید بن گئیں۔ پاکستان کی فوجی قیادت اس حوالے سے گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھی کہ آیا براس ٹیک مشقوں کا مرکزی محور مشرق مغرب ہوگا یا شمال جنوب۔ علاوہ ازیں وہ اس حوالے سے بھی غیر یقینی کا شکار تھے کہ بین الاقوامی سرحد سے فقط 60 سے 80 کلومیٹر دور جاری ان مشقوں اور اس میں شامل فوج کی جسامت اور نقل وحرکت کا فوکس کیا چیز ہے اور کیا یہ غیر معمولی مہم جوئی کسی اچانک حملے پر تو منتج تو نہ ہوگی۔ پاکستانی افواج کے بارے میں اپنی کتاب ''Cross Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within'' میں شجاع نواز پاکستانی جنرل ہیڈ کوارٹرز کے ایک ڈاکومنٹ کا حوالہ دیتے ہوئے دعوی کرتے ہیں کہ جی ایچ کیو کے پاس اس وقت کچھ ایسے ڈاکومنٹس موجود تھے جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ براس ٹیک آپریشن ایک ایسے آپریشن کا پردہ تھا جس کا مقصد جنگی گزرگاہوں .....شمال میں بہاول

پور اور جنوب میں خیر پور..... سے پیش قدمی کرتے ہوئے پاکستانی سرزمین میں 500 کلومیٹر اندر گھس کر اس کو دو حصوں میں بانٹنا تھا۔[8]

اپنے روایتی انداز میں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے بھی شدید نوعیت کے تخمینے دیے، جن کے مطابق انڈیا کے ممکنہ مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ ''دشمن (پاکستان) کی محدود جوہری ہتھیاروں کے حوالے سے آپریشنل پلاننگ اور اس کے ردعمل کی صلاحیت جانچی جائے اور اس کی لڑاکا فوج کی صلاحیت کو کم کیا جائے''[9]۔ راولپنڈی نے براس ٹیک کے بارے میں معلومات کے تبادلے کے لیے پہلے ستمبر اور پھر اکتوبر میں بھارتی اور پاکستانی ڈائریکٹر جنرلز آف ملٹری آپریشنز کے درمیان ہاٹ لائن کی منظوری دی۔ تاہم بھارت کی جانب سے جو بھی جواب آیا وہ پاکستان کے لیے تسلی بخش ثابت نہ ہوا جس کی وجہ سے مزید وضاحت کے لیے پاکستان نے بھارتی حکومت کے اعلیٰ ترین عہدیدار وزیراعظم راجیو گاندھی سے رابطہ کیا۔

جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون تنظیم سارک کے سربراہی اجلاس میں پاکستان نے اس حوالے سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سارک کا یہ اجلاس بھارتی شہر بنگلور میں 16 اور 17 نومبر کو ہوا جس میں دیگر ملکوں کے سربراہوں سمیت پاکستانی وزیراعظم محمد خان جونیجو اور بھارتی وزیراعظم نے بطور صدر اجلاس شرکت کی۔[10] ایک ضمنی ملاقات میں جونیجو نے راجیو کو براس ٹیک کے حوالے سے اپنے تشویش سے آگاہ کیا۔ اگرچہ اس ملاقات کے حوالے سے جو خبریں آئیں وہ مختلف تھیں مگر بظاہر راجیو گاندھی نے جونیجو کو جواب دیا کہ وہ براس ٹیک کے حوالے سے نظر ثانی کریں گے۔ یہ ممکن ہے کہ راجیو گاندھی کو ان مشقوں کے نتائج اور تفاصیل سے متعلق مکمل آگاہی نہ ہو یا یہ کہ انہوں نے جونیجو کے خدشات کو بے بنیاد سمجھتے ہوئے رد کر دیا یا پھر وہ اپنی یقین دہانیوں کے حوالے سے مخلص نہ تھے۔ وجہ جو بھی تھی، بہرحال پاکستانی حکام جس چیز کو بھارتی وزیراعظم کا وعدہ سمجھ رہی تھی کہ ان مشقوں کو ڈاؤن گریڈ کیا جائے گا، بھارتی وزیراعظم نے اس کی پیروی نہ کی۔[11] معاملہ چاہے جو بھی ہو جب دسمبر میں بھارتی افواج کی جانب سے براس ٹیک مشقوں کے پہلے تین مرحلوں کا تجزیہ کیا گیا تو انہوں نے یہ تجویز دی کہ چوتھے اور طویل تر مرحلے کی مشقوں کو کچھ کم پیمانے پر کیا جانا چاہیے۔[12]

MashalBooks.org

فوجوں کی تعیناتی

پاکستان کے فوجی دستے بھی1986 کے موسم سرما میں اپنی فوجی مشقیں کر رہے تھے۔ پاکستان کی آرمی ریزرو ساؤتھ (اے آر ایس) جو کہ پہلی مسلح ڈویژن اور 37 ویں انفینٹری ڈویژن پر مشتمل تھی، بہاول پور میرٹ کے علاقے میں صف شکن کے کوڈ نام سے یہ مشقیں کر رہی تھی۔ دریں اثنا آرمی ریزرو نارتھ (اے آر این) جو چھٹی مسلح ڈویژن اور 17ویں انفینٹری ڈویژن پر مشتمل تھی، وہ راوی اور چناب کے دریاؤں کے درمیان فلائنگ ہارس مشقوں کے نام سے مشقیں کر رہی تھی۔فوجی مشقیں صف شکن نومبر کے پہلے ہفتے میں مکمل ہو چکی تھیں جبکہ فلائنگ ہارس مشقیں دسمبر کے وسط تک جاری رہیں۔[13] صف شکن مشقوں کے بعد بھی آرمی ریزرو ساؤتھ میں شامل افواج اسی علاقے میں موجود رہیں جہاں مشقیں ہوئیں اور موثر پوزیشنیں لینے لگی تا کہ اگر براس ٹیک میں شامل افواج کی طرف سے کوئی حملہ ہو تو اس کا دفاع کیا جا سکے۔[14]

جوں جوں آپریشن براس ٹیک آگے بڑھ رہا تھا بھارتی ریاست جموں وکشمیر میں حالات خراب ہوتے جا رہے تھے۔مارچ1986 میں بھارتی گورنر جگموہن ملہوترا نے جموں وکشمیر کی قانون ساز اسمبلی معطل کر دی اور ریاستی دستور کی ایک شق کو نافذ کر دیا جو اسے اس قابل کرتی تھی کہ وہ ''ریاستی حکومت کے تمام یا ایک فنکشن خود سنبھال سکے''۔[15]1984 سے بھارت کے مسلم اکثریتی علاقوں میں سیاسی بے چینی پہلے ہی بڑھی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے ان علاقوں میں ہڑتالیں، احتجاجی جلوس اور جسمانی تشدد کے واقعات عام تھے۔[16] پاکستانی فوجی اور خفیہ ایجنسیاں اس بات پر خوش تھیں کہ کشمیر میں بے چینی بڑھ رہی ہے، وہ بے چینی جسے ان کی خفیہ تائید حاصل تھی۔مگر یہ بات ان کے لیے باعث تشویش تھی کہ کشمیر میں بھارتی افواج کی ایک اور بڑی ڈویژن تعینات کی جا چکی تھی اور اس صورت میں انہیں دو محاذوں پر جنگ لڑنا پڑتی ،کیونکہ کشمیر میں موجود یہ بھارتی فوج کی ڈویژن بین الاقوامی سرحد کے بہت قریب موجود تھی۔[17]

دسمبر1986 کے آخری دنوں میں آرمی ریزرو نارتھ کی مشقیں 'فلائنگ ہارس' مکمل ہو گئیں اور انہوں نےSledghamme مشقوں کا آغاز شکر گڑھ میں کر دیا جو کہ انٹرنیشنل بارڈر سے فقط

بیس کلومیٹر دور ایک قصبہ تھا۔[18] آرمی ریزرو ساؤتھ وہاں سے انٹرنیشنل بارڈر سے دور شمال کی طرف حرکت کر گئی۔ اس فوج نے بہاول پور کے شمال میں موجود دریائے ستلج کو جنوری 1987 کے دوسرے ہفتے پار کیا مگر ان کا رخ کنٹونمنٹ ملتان کی طرف نہ تھا۔ بلکہ اس کی بجائے آرمی ریزرو ساؤتھ کا رخ دائیں جانب ہو گیا اور انہوں نے شمال مشرق کی جانب لاہور کا رخ کر لیا۔ 37ویں انفینٹری ڈویژن لاہور کے جنوب میں بھارتی شہروں بھٹنڈا اور فیروز پور کے سامنے قیام پذیر ہو گئیں جبکہ پہلی مسلح ڈویژن نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور لاہور سے آگے گوجرانوالہ جا پہنچی۔[19]

جنوری 1987 کے آخر تک پاکستان اور بھارت کے لیڈروں کو افواج کی اس نقل وحمل کے حوالے سے عدم اطمینان محسوس ہونے لگا۔ پاکستان کی آرمی ریزرو نارتھ، جسکی پہلی مسلح ڈویژن اب فاضل تھی، نے شمال اور مشرق کی طرف پیش قدمی کا سوچا..... یہ وہ پیش رفت تھی جو بھارت کے لیے باعث تشویش تھی کیونکہ اس طرح نئی دلی اور جموں و کشمیر کی ریاست کے درمیان کمیونی کیشن لائن کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ پاکستانی افواج کے جنرل ہیڈ کوارٹرز نے آرمی ریزرو ساؤتھ کو دریائے ستلج کے شمالی کنارے کی طرف پیش قدمی کرا کے ایک جوا کھیلا۔ کیونکہ اس صورت میں اگر بھارتی افواج مغربی طرف سے حملہ آور ہوتیں تو پاکستان فوج کی پوزیشن نہایت کمزور ہو جاتی۔ مگر اس حوالے سے پاکستانی افواج کی پوزیشن بہت بہتر تھی کہ وہ بھارتی علاقوں پر قبضہ کر سکتے۔[20]

بحران کا عروج

جنوری 1987 کے اختتام کے آتے آتے براس ٹیک بحران اپنے عروج تک پہنچ چکا تھا۔ ملٹری فورسز صحرائی علاقوں اور منقسم کشمیر کے بارڈر پر لڑائی کی پوزیشن میں آ چکی تھیں۔ فوجی مہم جوئی اس نقطے پر پہنچ چکی تھی کہ جنگ بادل افق پر چھائے محسوس ہو رہے تھے، باہمی گفت وشنید کا عمل غیر تسلی بخش تھا۔ دسمبر کے وسط تک دونوں ملکوں کے ڈائریکٹرز جنرل ملٹری آپریشنز کے مابین ہاٹ لائن مکمل اور موثر طور پر منسوخ ہو چکی تھی۔ پاکستانی لیڈر براس ٹیک کے حوالے سے پیشگی معلومات کے عدم تبادلے کے حوالے سے غیر مطمئن تھے۔ بھارتی لیڈر اگرچہ کشیدگی کی شدت کے حوالے سے باخبر تھے مگر وہ ہاٹ لائن کے ذریعے معلومات کی فراہمی

کے حوالے سے بھی اس تشویش میں مبتلا تھے کہ کہیں یہ معلومات ان کے خلاف استعمال نہ ہو جائیں۔[21]

جب راولپنڈی نے آرمی ریزرو نارتھ اور آرمی ریزرو ساؤتھ یونٹوں کو بھارتی سرحد کی طرف حرکت دی، تو جنرل سندر جی نے آپریشن ٹرائڈنٹ کا آغاز کر دیا، جس کے تحت بھارتی فوج کو انٹرنیشنل بارڈر پر دفاعی پوزیشن میں لے جایا گیا اور ان کے لیے ریزرو فضائیہ کو بھی کمک کے لیے الرٹ کر دیا گیا۔ آرمی ریزرو نارتھ اور آرمی ریزرو ساؤتھ کے کسی متوقع حملے کے خطرے سے نمٹنے کے لیے بھارت نے مجموعی طور پر پندرہ ریزرو ڈویژنز کو بارڈر پر تعینات کیا۔

اختتامی مرحلہ

15 ڈویژن فوج کی سرحدوں پر تعیناتی کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ بھارت اسے راتوں رات کر لیتا۔ بھارتی حکومت جانتی تھی کہ اتنے بڑے پیمانے کی فوجی نقل و حرکت کو پاکستان کی خفیہ ایجنسیاں مانیٹر کر رہی ہوں گی، جو بھارتی حکومت کی طرف سے خطرات کو ویسے بھی نمایاں کر کے دیکھنے کی عادی چلی آ رہی تھیں۔ بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی اور اس کے سینیئر مشیروں نے لازما یہ تخمینہ لگایا ہوگا کہ آپریشن ٹرائڈنٹ کو بھارت کی جانب سے حملے کا پیش خیمہ سمجھا جائے گا۔ اس وجہ سے وزیر اعظم کے دفتر سے دفاع کے وزیر مملکت ارون سنگھ اور جنرل سندر جی کو ہدایات دی گئیں، جنکی روشنی میں 17 جنوری 1987 کو میڈیا کے سامنے انہیں اس بڑے پیمانے کی فوجی نقل و حمل کی دلیل پیش کرنا پڑی۔ ارون سنگھ اور جنرل سندر جی کی جانب سے یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ وہ اگلے مورچوں سے فوجوں کی ایک ساتھ واپسی کے حوالے سے اس وقت بھی مذاکرات پر تیار ہیں، جب فوج ابھی ان مورچوں پر پوزیشنیں سنبھال رہی ہے۔[22] اگر آپریشن ٹرائڈنٹ کسی حملے کا پیش خیمہ ہوتا تو راجیو گاندھی کبھی بھی اس پانچ روزہ پریس کانفرنس کی اجازت نہ دیتا جو فوجوں کے تعیناتی کے دوران مسلسل جاری رہی۔[23]

18 جنوری کی بریفنگ، پبلک بیانات اور پرائیویٹ ڈپلومیسی کے بعد فوجوں کی واپسی کا عمل شروع ہو گیا۔ 23 جنوری کو بھارت کے امریکی سفیر جان گنٹر ڈین نے صورت حال کے

MashalBooks.org

حوالے سے وزیر مملکت برائے امور دفاع ارون سنگھ سے ملاقات کی۔ارون سنگھ نے اس موقع پر نئی دلی کی اس تشویش سے امریکی سفیر کو آگاہ کیا جو آرمی ریزرو ساؤتھ کی جانب سے انٹرنیشنل بارڈر کے ساتھ نقل وحمل کے حوالے سے اسے تھی اور مطالبہ کیا کہ اس پیش رفت کے بارے میں معلومات مہیا کی جائیں۔ ڈین نے پاکستانی قیادت تک یہ درخواست بذریعہ واشنگٹن اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے تک پہنچائی۔امریکی سفرا نے بھارتی اور پاکستانی حکام کے سامنے اس نقطہ نظر کا اظہار کیا کہ ایک ساتھ اور خلاف معمول بہت بڑی فوجی نقل وحمل ہورہی ہے ۔انہوں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ طرفین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے خلاف برے عزائم نہیں رکھتا۔ واشنگٹن نے دونوں ملکوں کو خبردار بھی کیا کہ غلط فہمی میں اٹھایا گیا کوئی بھی غلط قدم نامطلوب ہونے کے باوجود بڑے حادثے کا سبب بن سکتا ہے اوراس خواہش کا اظہار کیا کہ پاکستان اور بھارت براہ راست فوجی امور پر بات کریں۔(24)

اگلے دن یعنی 24 فروری کو دونوں ملکوں کی جانب سے مفاہمتی بیانات جاری کیے گئے۔کسی اور مقصد کی غرض سے بلائی گئی ایک میٹنگ سے قبل بھارت میں متعین پاکستان کے سفیر ہمایوں خان سے ملاقات میں بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی نے سرحدی تناؤ میں کمی کے حوالے سے مفاہمتی پالیسی میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔اس تبصرے کو بڑی سطح پر کوریج ملی اور اسی دن ہمایوں خان نے ایک پریس کانفرنس بلا کر ان یقین دہانیوں کی بابت بتایا جو راجیو گاندھی نے انہیں کرائی تھیں۔24 جنوری کو ہی راجیو گاندھی نے وزارت دفاع کی تنظیم نو کی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ راجیو کو نہ تو ارون سنگھ پر اعتماد تھا اور نہ ہی وہ پاکستان سے کسی حادثاتی جنگ میں الجھنے کے حوالے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ارون سنگھ کو فارغ کر کے نئے وزیر دفاع (اس مرحلے پر باقاعدہ طور پر وزارت کا قلم دان خود راجیو کے پاس تھا) وی پی سنگھ کو تعینات کیا گیا۔(25)

اگلے دن 25 فروری کو راجیو گاندھی اور پاکستانی وزیراعظم محمد خان جونیجو کے مابین ٹیلی فون پر بات چیت ہوئی جس میں دونوں نے نارمل تعلقات کی بحالی کے حوالے سے خواہش کا اظہار کیا۔ بعد ازاں اسی روز پاکستانی صدر ضیا الحق (جو اس وقت آرمی چیف بھی تھے) کویت میں منعقدہ اسلامی ممالک کی تنظیم میں شرکت کے لیے ملک سے باہر چلے گئے۔ ضیا کے مشیر

خطے میں موجود کشیدہ حالات کے باوجود صدر کے بیرون ملک جانے کے حوالے سے تشویش کا شکار تھے جبکہ صدر ضیا کو اس سے زیادہ اس بات کی تشویش تھی کہ اگر اس نے اپنا دورہ ملتوی کیا تو اس سے کیا پیغام جاتا۔ راجیو کی طرح، جس نے وزارت دفاع کی نئی تنظیم کی تھی جنرل ضیا کا دورے پر چلے جانا، یہ اشارہ تھا کہ دونوں ملکوں کے لیڈر بھی غیر ضروری فوجی مہم جوئی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جنگ کی صورت حال سے بچنا چاہتے تھے۔ انہی دنوں میں تقریباً دو ماہ بعد پہلی بار ڈائریکٹرز جنرل آف ملٹری آپریشنز (DMGOs) کے مابین ہاٹ لائن پر تبادلہ خیال ہوا۔[26]

26 جنوری کو اسلام آباد نے اعلان کیا کہ موجودہ کشیدہ صورت حال کی تحلیل کے لیے پاکستانی سیکرٹری خارجہ مذاکرات کے لیے بھارت جائیں گے۔ نئی دلی نے اپنے اعلان میں کہا کہ اس دوران اس کی فوج کسی بھی خطرے کی صورت میں انہی پوزیشنوں پر الرٹ رہے گی۔ تاہم مزید فوجی تعیناتیاں نہیں کی جائیں گی۔ دونوں ملکوں کے سیکرٹری خارجاؤں کے مابین مذاکرات 31 جنوری کو شروع ہوئے جنہیں دونوں ہی ملکوں نے مثبت سمت میں پیش رفت قرار دیا۔ 4 فروری کو دونوں ملک ایک معاہدے پر متفق ہو گئے جس کی رو سے پندرہ روز کے اندر انٹرنیشنل بارڈر اور لائن آف کنٹرول سے دونوں افواج واپس پلٹ آئیں گی۔ پاکستانی حکام ایک انفینٹری اور ایک مسلح ڈویژن کو فوری طور پر واپس بلانے پر تیار ہو گئے جبکہ بھارت نے بھی ایک ڈویژن فوج واپس بلا لی۔ اضافی طور پر دونوں ملکوں کے لیڈرز اس بات پر بھی متفق ہو گئے کہ بارڈر کی طرف جارحانہ نقل و حمل نہیں کی جائے گی اور اگلے مورچوں پر موجود فضائی چوکیوں کو بھی غیر فعال کیا جائے گا۔[27]

اگرچہ 4 فروری کے معاہدے کے بعد فوجی کشیدگی کا خاتمہ ہو گیا مگر سیاسی تناؤ تب کہیں جا کر ختم ہوا جب ضیا الحق نے ''کرکٹ ڈپلومیسی'' کے حوالے سے بھارت کا دورہ کیا۔ جنرل ضیاالحق اور راجیو گاندھی کے مابین جے پور میں ہونے والے کرکٹ میچ کے دوران ایک غیر رسمی ملاقات میں باہمی تعلقات کے حوالے سے بات چیت ہوئی اور پھر کہیں جا کر برصغیر میں حالات معمول پر آنے کا احساس ہوا۔

MashalBooks.org

1990 کا بحران

تمہید اور پیش واقعہ

1990 کا بحران کا آغاز پاکستان کی ملٹری مشقوں اور بھارتی ریاست جموں وکشمیر میں علیحدگی پسندوں کی پرتشدد کارروائیوں سے ہوا۔ایک اور ضمنی وجہ جس کا ذکر سٹیفن کوہن اور شریک مصنفین نے ''مرکب بحران'' کے عنوان سے کیا ہے وہ تھی بھارتی پنجاب میں سکھ علیحدگی پسندی کی تحریک جس میں، وادی کشمیر کی پرتشدد تحریک کی طرح، پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کی اعانت شامل تھی۔سکھ بنیاد پرستی کا نقطہ عروج 1984 کا وہ واقعہ تھا جس میں جرنیل سنگھ بھنڈراں والا کی قیادت میں سکھوں نے امرتسر میں واقع گولڈن ٹیمپل پر قبضہ کر لیا تھا۔ بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے آپریشن بلیو سٹار کے نام سے احکام جاری کیے کہ ٹیمپل کو حملہ آور سکھوں سے صاف کیا جائے۔ اس آپریشن میں پانچ سو کے قریب فوجی ،عسکریت پسند اور عام لوگ مارے گئے۔جب1990 کا بحران شروع ہوا اس وقت بھارتی پنجاب میں سکھ عسکریت پسندی اور سکھوں کی تنہائی کے مسائل ابھی موجود تھے۔(28)

1990 کے بحران کو پیچیدہ تر کرنے والے دیگر عناصر میں اہم تر ایک عنصر پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں میں داخلی سطح پر موجود کمزور حکومتیں بھی تھیں جن کو مضبوط اور ناموافق اپوزیشنوں سے واسطہ تھا۔دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم بے نظیر بھٹو اور وی پی سنگھ کی طرف سے جارحانہ بیانات کا جاری کیا جانا بھی ایک ایسا عنصر تھا جس نے اس بحران کو پیچیدہ تر کر دیا۔ وی پی سنگھ جنتا دل پارٹی کے قائد اور نیشنل فرنٹ کے نام سے حکومتی اتحاد کی طرف سے منتخب شدہ وزیراعظم تھے۔ بھارتی سیاست کی دو طاقتور ترین پارٹیاں کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی اس اتحاد میں شامل نہیں تھیں بلکہ کمزور اور چھوٹی پارٹیوں کے اتحاد سے اس وقت کی بھارتی حکومت قائم تھی۔وی پی سنگھ کے خلاف اس وقت سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ ''اس کی

حکومت بھارت کی تذویراتی ضرورتوں کے مطابق پبلک پالیسی کے حوالے سے کوئی ٹھوس فکری بنیادیں مہیا نہیں کر سکی تھی"[29] پاکستانی حکومت کی طرف سے بحران کے دوران دھمکیوں کا جواب دینے کے لیے وی پی سنگھ کی حکومت کسی بہتر پوزیشن میں نہ تھی۔

پاکستان میں بھی طاقت کے حصول کی جدوجہد کی تکون کے درمیان.....یعنی وزیراعظم، صدر اور آرمی چیف کے درمیان مقابلے بازی کا رجحان تھا۔طاقت کے ان تین ستونوں میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو کی پوزیشن،صدر غلام اسحاق خان اور آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ کے مقابلے میں سب سے زیادہ کمزور تھی۔اگست1988 کے ایک پراسرار فضائی حملے میں ایک عشرے تک اقتدار پر قابض جنرل ضیاالحق کی ہلاکت ہو چکی تھی۔اپنی وفات سے قبل جنرل ضیا وزیراعظم محمد خان جونیجو کی حکومت کو بھی معطل کر چکا تھا اور متبادل حکومت بھی نامزد نہیں کر سکا تھا۔کیونکہ ضیا صدر ہونے کے ساتھ ساتھ آرمی چیف بھی تھا اور وزیراعظم کو بھی ہٹا چکا تھا اس لیے طاقت کی علامت یہ تینوں پوزیشنیں خالی تھیں۔غلام اسحاق خان چونکہ اس حادثے کے وقت سینٹ کے چیئرمین تھے اس لیے دستوری طور پر انہیں نے صدر بننا تھا..... حادثے کے روز ہی جی ایچ کیو میں انہوں نے صدر کے عہدے کا حلف اٹھا لیا۔بدلے میں صدر اسحاق نے اس وقت کے نائب آرمی چیف اسلم بیگ کو آرمی چیف کے عہدے پر ترقی دی۔بے نظیر بھٹو جو اس تکون کا سب سے کمزور کونا تھیں وہ نومبر1988 کے انتخابات کی وجہ سے جو ان کی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے جیتے ، وزیراعظم بنیں۔[30]

بھارت کے اندرونی حالات بھی پیچیدہ تھے۔کشمیر کی ریاست میں ہونے والے1987 کے انتخابات میں بڑے پیمانے پر ہونے والی دھاندلی نے وہاں کے حالات کو مزید خراب کر دیا تھا(براس ٹیک کے بعد کشمیر کے حالات خراب چلے آرہے تھے)۔اگست1988 سے جموں وکشمیر کے حالات کافی خراب اور متشدد چلے آرہے تھے، پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں اور عسکریت پسندوں کی فوجی مدد اور اندرونی طور پر ریاستی حکومت کے کمزور ردعمل کی وجہ سے مزید بگاڑ پیدا ہو چلا تھا۔[31] اس سال پورے کشمیر میں پرتشدد واقعات کا سلسلہ جاری رہا اور اگلے سال ان واقعات کا سلسلہ اور بھی بڑھ کر بڑے پیمانے تک پھیل گیا۔بھارت کی ہوم افیئرز کی وزارت نے ان واقعات کا تخمینہ لگایا کہ1988 میں تشدد کے 390واقعات ہوئے جبکہ سال1989 میں یہ واقعات بڑھ کر2154 ہو گئے۔[32]

1990 کے بحران کا پیش خیمہ بے نظیر بھٹو پر پڑنے والا مسلسل دباؤ تھا۔انہیں فوج کی طرف سے تشکیل دی گئی جماعتوں کے اتحاد کی جانب سے ایوان میں عدم اعتماد کی تحریک کا سامنا کرنا پڑا جو اگرچہ وہ جیت گئیں۔اس عدم اعتماد کی تحریک کی وجہ جواز یہ تھی کہ انکی حکومت بھارت کے حوالے سے ٹھوس پالیسیاں اختیار نہیں کر رہی تھی۔بے نظیر کے بیانات میں اس تحریک کے بعد اور بھی زیادہ تندی آ گئی اوران کا یہ فقرہ تو بہت ہی مقبول ہوا کہ پاکستان کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے بھارت سے ہزار سالہ جنگ لڑنے کے لیے بھی تیار ہے۔(33)

دریں اثنا مرزا اسلم بیگ ملکی تاریخ کی سب سے بڑی جنگی مشقیں ضرب مومن کے حوالے سے منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ان مشقوں کے لیے دونوں ملکوں کے پنجاب کے درمیان موجود انٹرنیشنل بارڈر کے قریب کا علاقہ منتخب کیا گیا جبکہ اس وقت تک بھارتی پنجاب میں خالصہ تحریک کو مکمل طور پر نہ دبایا جا سکا تھا۔ان مشقوں کے آغاز کے لیے دسمبر 1989 کا انتخاب کیا گیا۔مشقوں میں دو لاکھ سپاہیوں کو شرکت کرنا تھی جن میں آرمی کے چار دستے ،سات انفینٹری ڈویژنز اور ایک مسلح ڈویژن شامل تھی۔علاوہ ازیں ان مشقوں میں تین آزاد انفینٹری اور ایک مسلح بریگیڈ کے علاوہ آرمی کوبرا ہیلی کاپٹرز کا ایک سکوارڈرن،دفاعی یونٹ،اور ائیر سکوارڈرن بھی شامل تھا۔ایک اعلی درجے کی فضائی مشق میں ہوائی جہازوں کی جانب سے لائیو میزائل ،راکٹ اور بم بھی برسائے گئے اور ان مشقوں کو بھی ضرب مومن مشقوں میں ضم کیا گیا تا کہ 'ایک حقیقی فضائی خطرے کے ماحول' کو پیدا کیا جا سکے۔(34)

ضرب مومن فوجی مشقوں کو اس ارادے سے ترتیب دیا گیا تھا کہ اگر بھارت کی جانب سے دوطرف سے حملہ ہواتو ان کا دفاع کیا جا سکے۔مشقوں میں شامل فوج کو اس طرح سے تقسیم کیا گیا تھا کہ حملہ آور فوج (فاکس لینڈ)،دفاعی فوج (بلیو لینڈ) سے تعداد میں کہیں زیادہ تھیں۔(35) ان مشقوں کے دوران ،جنہیں بھارت اور دیگر ملکوں کے ملٹری اتاشی دیکھ رہے تھے ،بظاہر بلیولینڈ کو اپنی بہت سی سرگرمیاں ختم کرنا پڑیں اور یوں یہ مشقیں مقررہ وقت سے بھی پہلے مکمل ہوگئیں۔تاہم پاکستانی افواج کیمپوں کی طرف واپس نہ گئیں جیسا کہ توقع کی جا رہی تھی کہ ان بڑے پیمانے کی مشقوں کے بعد فوجیں واپس کیمپوں میں چلی جائیں گی۔(36) ٹھیک اسی وقت جب دسمبر 1990 میں دو لاکھ کے قریب پاکستانی افواج میدان میں تھیں بھارتی ریاست جموں وکشمیر میں حالات کی خرابی نے بدتر صورت اختیار کر لی۔

علیحدگی پسندوں نے بھارت کے ہوم منسٹر (جو وادی کشمیر سے تعلق رکھنے والا ایک مسلمان تھا) کی بیٹی کو اغوا کر لیا، جس سے وہاں شدید نوعیت کی بغاوت نے جنم لیا۔ ہوورڈ شیفر کے مطابق:

''سری نگر اور وادی کشمیر میں ہزاروں کے جلوس نے کرفیو کے خلاف اور کشمیر کی آزادی .....مکمل آزادی.....کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے مارچ کیا۔ جوں ہی مسلح بغاوت نے جنوری1990 میں پر تشدد بغاوت کو جنم دیا، عملی طور پر ریاستی حکام بے اثر ہوگئے۔ سینکڑوں کشمیری مارے گئے۔ نئی دلی حکومت نے فوج کو حکم دیا کہ پولیس اور پیرا ملٹری فورسز کو کشمیر میں بحال کرے اور حکومت کی عملداری کو بحال کرے جو وہاں بری طرح مجروح ہو چکی تھی اور مرکز کی طاقتوں کے تحت لائیں''(37)

دسمبر1989 میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے منجھے ہوئے سفارت کار عبدالستار کو نئی دلی بھیجا تاکہ وہ تعلقات میں بہتری کے حوالے سے کوشش کر سکے۔ پاکستانی اخبارات کے مطابق بھارتی وزیراعظم وی پی سنگھ نے پاکستان کی حکومت کو پیغام بھیجا کہ'' پاکستان یا تو کشمیر کی تحریک آزادی کی حمایت کرنا ترک کرے یا پھر نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائے''(38) ضرب مومن مشقوں، کشمیر کی بھرپور بغاوت، بھارتی پنجاب میں جاری سکھ بغاوت اور بھارت اور پاکستان میں موجود کمزور سول حکومتوں نے اس بحران کے لیے بنیادیں فراہم کر دیں۔

فوجی اقدامات

1990 کے ابتدائی دنوں میں بھارت کی جانب سے 'حفاظتی اقدامات کیے گئے، جن کے تحت ریاست جموں وکشمیر میں تین ڈویژن فوجوں کی اضافی تعیناتی کے علاوہ ایک اضافی ڈویژن کو بھارتی پنجاب میں بھی تعینات کیا گیا۔(39) ان اضافی فوجوں کی وجہ سے کشمیر کے گورنر جگموہن ملہوترا نے کشمیر میں جاری بغاوت کو کچلنے کے لیے فوجوں کو استعمال کیا۔ باقاعدہ فوج کے اضافے کے باعث گورنر کشمیر نے ریاستی اسمبلی بھی تحلیل کر دی اور کشمیر بھر میں کرفیو نافذ کر دیا۔ پر تشدد واقعات کا سلسلہ پھر بھی جاری رہا اور جنوری اور مارچ1990 کے درمیان 200 کے قریب ہلاکتیں ہوئیں۔(40)

جنوری1990 میں پاکستانی حکام کی جانب سے ایک بار پھر سفارتی کوششیں سامنے آئیں ۔ ان کوششوں نے حالات کو مزید بگاڑ دیا۔وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان نے نئی دلی کا تین روزہ دورہ کیا، جو 21 جنوری کو شروع ہوا۔انہیں غالبا کوئی سخت پیغام .....شاید ایٹمی جنگ کی دھمکی ..... دے کر بھیجا گیا تھا۔[41] بھارتی حکومت کا جواب بھی غیر مبہم طور پر منفی تھا۔جیسا کہ کارگل کمیٹی جو بھارتی حکومت کی جانب سے قائم کی گئی تھی کی یہ رپورٹ کہتی ہے:

''انہوں (صاحبزادہ یعقوب خان) نے کشمیر کی پیچیدہ صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کی کہ حالات قابو سے باہر بھی ہو سکتے ہیں۔جس انداز سے یہ پیغام پہنچایا گیا اسے وی پی سنگھ اور آئی کے گجرال دونوں نے ہی الٹی میٹم کے طور پر لیا۔اس پیغام کو اتنا سنجیدہ لیا گیا کہ فوری طور پر ہی سیاسی معاملات سے متعلق کابینہ کی کمیٹی کا غیر رسمی اجلاس بلایا گیا اور اس پیغام سے متعلق بحث کی گئی''[42]

کابینہ کی اس کمیٹی کے اجلاس کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد بھارتی وزیراعظم نے کہا کہ بھارت پاکستان کی طرف سے کی گئی کسی بھی کارروائی کا جواب دے گا .....چاہے اس کا مطلب جنگ ہی کیوں نہ ہو۔دوسری طرف صاحبزادہ یعقوب خان بھارتی دورے سے واپس آئے تو انہوں نے بھرپور، جارحانہ اور جنگجویانہ انداز میں نیشنل ٹیلی ویژن پر اپنی کشمیر پالیسی کے حوالے سے بیان جاری کیا۔[43]

کشمیر میں جاری پرتشدد تحریک پر جہاں اسلام آباد اور نئی دلی کے درمیان زبانی جنگ جاری تھی ، بھارت نے انہی دنوں موسم سرما کی اپنی فوجی مشقوں کا آغاز راجستھان میں کر دیا(یہ مشقیں براس ٹیک مشقوں کے مقابلے میں کہیں محدود تھیں)۔فوجی مشقوں والا علاقہ مہاجن ..... راجستھان کا علاقہ..... جہاں بھارتی مسلح یونٹ مشقوں میں مصروف تھے، پاکستان کے شہر ملتان سے تقریبا160 کلومیٹر کی دوری پر واقع تھا۔ اور ملتان وہ علاقہ تھا جہاں دسمبر میں ہونے والی ضرب مومن مشقوں کے بعد سے پاکستان افواج بشمول ریزو ڈویژن موجود تھیں[44] ۔پاکستان نے اپنی ریزرو فوج کو انٹرنیشنل بارڈر کی پاس اس جگہ حرکت دے لی جہاں سے وہ آسانی سے تیز حملے کر سکتی تھی۔ پاک بھارت فضائیہ بھی انتہائی الرٹ پوزیشن میں آ چکی تھیں[45] ۔ایک بار پھر دونوں ملکوں کی افواج آمنے سامنے تھیں۔فروری کے اختتام

تک تناؤ عروج پر تھا اور ابھی آگے بھی بڑھ رہا تھا۔

بحران کا عروج

بیان بازی کا سلسلہ اور بحران اب اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔13 مارچ کو مظفر آباد میں منعقد ہونے والی ریلی کے موقع پر بے نظیر بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ کشمیریوں کی علیحدگی پسند تحریک کی حمایت میں 'ہزار سال کی جنگ' اور اس کے لیے درکار کئی ملین روپے خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ 10 اپریل 1990 کو پارلیمنٹ کے سامنے اپنے خطاب میں وی پی سنگھ نے اراکین اسمبلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ 'نفسیاتی طور پر جنگ کے لیے تیار رہیں'۔13 مارچ کی مظفر آباد میں ہونے والی ریلی میں بے نظیر بھٹو کے بیان کا جواب دیتے ہوئے وی پی سنگھ نے کہا:

''وہ لوگ جو ایک ہزار سال تک جنگ لڑنے کی بات کر رہے ہیں، میں انہیں خبر دار کر رہا ہوں کہ کیا وہ لوگ ایک ہزار گھنٹے تک بھی یہ جنگ جاری رکھ سکیں گے''

15 اپریل کو بھارتی ہوم منسٹر مفتی محمد سعید (ایک کشمیری) نے کہا کہ جنگ'' بالکل بجا ہے اگر کشمیر کو علیحدگی پسندوں کے پنجے سے چھٹکارا پانے کا مقصد حاصل کر لیا جاتا ہے''(46)

تند و تیز بیانات کے اس سلسلے نے بحران میں امریکی دلچسپی کو سنجیدہ اور زیادہ مربوط کرنے کے علاوہ پاکستان اور بھارت کو اپنی فوجی صلاحیتوں پر نظر ثانی اور تجزیہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر اعظم وی پی سنگھ کی تقریر کے بعد پاکستان کے آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ نے اپنے فوجی کمانڈروں کو کہا کہ وہ راجستھان میں جاری بھارتی افواج کی مشقوں کے حوالے سے تفصیلی تخمینہ لگائیں، جس میں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کے مطابق ایک لاکھ بھارتی فوجی شریک تھے اور جو انٹرنیشنل بارڈر سے 80 کلومیٹر دور ہو رہی تھیں۔ بھارتی افواج کے ترجمان نے کہا کہ ان مشقوں میں صرف دو ایسے یونٹ شریک ہیں جنہیں حال ہی میں ٹینکوں سے مسلح کیا گیا ہے۔ ترجمان نے کہا کہ حملہ آور فوج کا باقی حصہ دور امن کی حالت میں اپنے کنٹونمنٹ میں موجود ہے۔14 اپریل کو جی ایچ کیو کی جانب سے پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی کو بریفنگ میں بتایا گیا کہ مسلح افواج اس وقت ''جنگ کی مکمل تیاری کی حالت میں ہیں اور کسی بھی طرح کے بیرونی حملے کے خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔''(47)

MashalBooks.org

امریکی ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ اس تمام صورت حال کو تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔18اپریل کو امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے انڈر سیکرٹری رابرٹ کمٹ کی جانب سے پہلا باقاعدہ بیان سامنے آیا جس میں اس نے خبردار کرتے ہوئے کہا''حالات کا غلط تخمینہ لگایا جارہا ہے جس کے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں۔''بھارتی اور پاکستانی حکام کو پیشگی اطلاع دے کر اسلام آباد اور نئی دلی میں مقررامریکی ملٹری اتاشی اگلے مورچوں پر جا کر فوجوں کی صورت حال کا معائنہ جنوری سے کر رہے تھے۔بحران کے دور عروج میں ہر دوسرے ہفتے میں دونوں ملکوں کے امریکی اتاشی جا کر انٹرنیشنل بارڈر اور کراس آف لائن کے ان میدانوں کا تجزیہ کر رہے تھے جو جنگ کے ممکنہ میدان ہو سکتے تھے۔اس دوران جب بڑے پیمانے پر انفینٹری کی تعیناتی کا مشاہدہ کیا جارہا تھا،نئی دلی میں تعینات امریکی ملٹری اتاشی نے دیکھا کہ کشمیر کی سرحد پر بھارتی فوج کا اضافہ کراس بارڈر اور کراس دی لائن آف کنٹرول فلٹریشن روکنے کے لیے بھارت کے اعلان شدہ مقاصد کے عین مطابق تھا۔جہاں تک انٹرنیشنل بارڈرز کا تعلق تھا انہیں اس حوالے سے کوئی ایسی سرگرمیاں مشاہدے میں نہ آئیں جو فوجی جارحیت کا اشارہ دیتیں۔مثال کے طور پر انہیں اسلحے اور جنگی سازوسامان پہنچانے کے لیے ٹرینوں کے متعین کیے جانے کے کوئی ثبوت نہ ملے۔(48)

اس مقام پر پاکستان کو سب سے زیادہ تشویش ان فوجی مشقوں سے متعلق تھی جو راجستھان میں منعقد ہورہی تھیں۔دوسری طرف بھارتی مسلح افواج کو ان پاکستانی افواج سے متعلق تشویش تھی جو ضرب مومن مشقوں کی تکمیل کے باوجود بھی انٹرنیشنل بارڈر پر طویل پڑاؤ ڈالے ہوئی تھیں۔بھارتی فضائیہ کے سکوارڈرن انتہائی چوکس حالت میں تھے تاکہ پاکستانی ہائی الرٹ فضائیہ کی کسی کارروائی کا بروقت مقابلہ کیا جا سکتا۔ٹھیک اسی دن جب پاکستان کی پارلیمنٹ کو فوجی حوالوں سے بریفنگ دی جارہی تھی وی پی سنگھ میڈیا کو بھارت کی فوجی تیاریوں سے متعلق آگاہ کر رہے تھے۔انہوں نے بھارتی میڈیا کو بتایا کہ پاکستان کی جانب سے بڑی تعداد میں مسلح رجمنٹس کی انٹرنیشنل بارڈر پر تعیناتی حملے کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے.....انہوں نے میڈیا کو یہ بھی بتایا کہ کشمیر کی سرحد پر پاکستانی افواج 'ریڈالرٹ' حالت میں ہیں۔(50)

اختتامی مرحلہ

دو ہفتوں تک تناؤ اپنے عروج پر قائم رہا اور اس کے بعد موجود تناؤ میں کمی کے آثار نظر آنے لگے۔ بھارتی انڈر سیکرٹری نریش چندرا نے راولپنڈی اور اسلام آباد کا خفیہ دورہ کیا اور پاکستان کی فوجی اور سیاسی قیادت کو یہ یقین دلایا کہ بھارتی افواج پاکستان پر حملے کا کسی قسم کا ارادہ نہیں رکھتیں۔ اس یقین دہانی کی توثیق امریکی حکام کی جانب سے بھی ان معلومات کی روشنی میں آ گئی جو نئی دلی اور اسلام آباد میں موجود ان کے فوجی اتاشیوں نے اگلے مورچوں پر جا کر حاصل کرنے کے بعد آگے بھیجی تھیں۔ ان چھوٹے چھوٹے اقدام نے آگے آنے والے بڑے اقدامات کے حوالے سے سہولت کار کا کردار نبھایا۔ 25 اپریل کو پاکستان اور بھارت کے لیڈرز نے دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ کی ملاقات کا اہتمام نیو یارک میں جاری جنرل اسمبلی کے اجلاس میں ضمنی حوالوں سے کیا۔ اعلیٰ حکام کی ہدایات کے مطابق دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ نے اس ملاقات میں اتفاق کیا کہ موجودہ تناؤ کی کیفیت میں کمی لائی جائے، جس کے لیے دونوں ملکوں کے DGMOs کے درمیان ہاٹ لائن موثر کرنے اور ابلاغ کے تمام ذرائع کھلے رکھنے پر اتفاق ہوا۔ اس ملاقات کے بعد دونوں ملکوں کی جانب سے مزید فوجیں بارڈر پر تعینات کرنے کا سلسلہ مکمل طور پر رک گیا۔ یہ اعلیٰ سطحی مداخلت کارگر رہی۔ جیسا کہ چیری، چیمہ اور کوہن کے مندرجہ ذیل تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے:

''طرفین کو اس بات کا علم تھا کہ بہت سے عوامل جنگ کے بھٹی کو گرمانے کے خلاف نشاندہی کر رہے تھے۔ سیاسی لیڈروں اور باسز کی جانب سے واضح ہدایات کی عدم موجودگی کے باوجود دونوں ملک جنگ سے بچنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک سیاسی لیڈروں کی جانب سے ایسے مبہم بیانات آتے رہے جو کشیدگی کا پتہ دے رہے تھے''(51)

بڑے پیمانے پر ہونے والی پاک بھارت اہلکاروں کی ملاقاتیں جن میں فوجوں کی اگلے مورچوں سے واپسی کے حوالے سے لائحہ عمل پر بات چیت کی جا رہی تھی دونوں ملکوں کے اس عزم کے اظہار کی علامتیں تھیں کہ دونوں ہی ملک فوجوں کی کیمپوں میں واپسی کے حوالے سے سنجیدہ ہیں۔ اور تناؤ کم کرنا چاہتے ہیں۔

امریکی سفیر اور فوجی اتاشی جو دونوں ملکوں میں تعینات تھے، نے دونوں وزرائے خارجہ کے

سامنے اپنے 25اپریل کے بیان کو کئی مفید طریقوں سے دہرایا۔اسلام آباد اور نئی دلی میں موجود امریکی سفارتخانے مسلسل رابطے میں تھے اور کرائسس منیجمنٹ کے عمل کو مربوط انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے جنگ سے متعلق افواہوں کی تردید کر رہے تھے۔جب مئی کے شروع میں فوجوں کی واپسی کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا تو اس موقع پر اگلی پیش رفتوں کو ممکن بنانے کے لیے دونوں ملکوں نے اقوام متحدہ کو استعمال کیا۔(52) جیسا کہ ہوورڈ شیفر کا کہنا ہے:''دونوں ملکوں کی افواج ایک دوسرے کی پیش رفتوں کے حوالے سے جذباتی ردعمل دے رہی تھیں اور واشنگٹن کی ابتدائی مداخلتیں اسی حوالے سے تھیں کہ دونوں ملکوں کی بلاوجہ کی تشویشوں کو کم کیا جائے''(53)

16 مئی کو وائٹ ہاؤس کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ ڈپٹی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر رابرٹ گیٹس خطے کا دورہ کریں گے۔20 مئی کو رابرٹ گیٹس اسلام آباد پہنچے اور پاکستان کے صدر غلام اسحاق خان اور آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ سے ملاقاتیں کیں۔بعد ازاں وہ بھارت روانہ ہوئے جہاں وزیراعظم وی پی سنگھ، خارجہ امور کے وزیر آئی کے گجرال اور وزیر مملکت برائے دفاع راجا رامنا سے ملے۔(54) رابرٹ گیٹس نے غلام اسحاق خان اور مرزا اسلم بیگ کو بتایا کہ امریکی وار گیم نے واضح طور پر اشارہ دیا ہے کہ پاکستان بھارت کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں ہار جائے گا اور یہ بھی کہا کہ اگر دونوں ملکوں کے درمیان کوئی جنگی صورت حال بنی تو امریکہ اس میں پاکستان کی کسی قسم کی کوئی مدد یا مداخلت نہیں کر سکے گا۔نئی دلی میں رابرٹ گیٹس نے یہ پیغام پہنچایا کہ بھارت کو ایسے قدم اٹھانے سے گریز کرنا چاہیے جو فوجوں کی بڑے پیمانے پر نقل وحرکت کا باعث بن جائیں۔اس نے امریکی وار گیمز کے تجزیے سے بھارت کو بھی آگاہ کیا اور یہ اضافہ بھی کیا کہ اگر بھارت یہ جنگ جیت بھی جائے تو مختصر المیعاد فوائد کی نسبت طویل المیعاد فوائد کو زیادہ زک پہنچے گی(55) ۔رابرٹ گیٹس نے بھارتی حکام کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا کہ امریکہ افواج کی اگلے مورچوں سیمشترکہ واپسی کے عمل میں معاونت کرے گا اور اعتماد سازی کے حوالے سے اقدامات (سی بی ایمز) بھی تجویز کیے تاکہ مستقبل میں غیر متوقع فوجی صورت حال سے بچا جا سکے۔(56)

ماسکو اور بیجنگ کی جانب سے بھی اسلام آباد اور نئی دلی کو پیغامات بھیجے گئے جن میں افواج کی اگلے مورچوں سے واپسی کی درخواست کی گئی تھی۔رابرٹ گیٹس کے خطے کے دورے کے

دو ہفتے کے اندر اندر بحران تقریباً ختم ہو گیا۔ بھارتی افواج کے ترجمان نے راجستھان میں جاری بھارتی فوجی مشقوں کے خاتمے کا اعلان کیا۔ علاوہ ازیں بھارتی حکومت کی جانب سے پاکستان کے لیے اعتماد سازی کے اقدامات کے حوالے سے بھی کچھ تجاویز سامنے آئیں، جس میں پاکستان اور بھارت کی فضائیہ کی جانب سے سرحدوں کی خلاف ورزی کی روک تھام کی تجویز بھی شامل تھی جس پر بعد ازاں 1991 میں اتفاق بھی ہو گیا۔ پاکستان نے بھی متنازعہ مسائل کے حوالے سے سیکرٹری سطح کے مذاکرات کی تجویز دی۔ (57)

MashalBooks.org

کارگل بحران

تمہید اور پیش واقعہ

سابقہ جموں وکشمیر کی ریاست 1947 میں دونوں ملکوں بھارت اور پاکستان میں تقسیم ہوئی اور اس دن سے لے کر آج تک دونوں ملکوں کے مابین وجہ نزاع چلی آرہی ہے۔کارگل بحران جو تقسیم کے بعد کشمیر پر تیسری جنگ کا سبب بنا، کا آغاز چند پاکستان سینئیر فوجی اہلکاروں کے منصوبے سے ہوا جو کشمیر کی جغرافیائی صورت حال کو بدل کر اپنے حق میں کرنا چاہتے تھے۔ فیروز حسن خان، پیٹر لیوی اور کرسٹوفر کلے نے اس منصوبے کے کلیدی کرداروں میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف ، چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل عزیز احمد، 10 کورپس کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد اور جنرل آفیسر کمانڈنگ فورس کمانڈ آف ناردرن ایریاز میجر جنرل جاوید حسن کو شامل کیا ہے۔(58)

کارگل، ریاست جموں کشمیر کے علاقوں سری نگر اور لیہہ کے مابین ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔کارگل سے اوپر کا پہاڑی علاقہ کسی بھی جنگی سرگرمی کے لیے ناموزوں ہے۔قصبے کے اردگرد موجود چوٹیوں کی اوسط لمبائی 4000 فٹ ہے اور چھوٹی چوٹیاں بھی انتہائی دشوار گزار ہیں۔ اس علاقے میں نومبر سے لے کر جولائی اور مئی تک برف کی سفید چادر بچھی رہتی ہے۔اس طویل سرد موسم میں عموما بھارتی اور پاکستانی افواج، جو کشمیر کی لائن آف کنٹرول پر تعینات ہوتی ہیں، اپنے اگلے مورچوں کو چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔جب برف پگھل جاتی ہے تو سری نگر کو لیہہ سے جوڑنے والی سڑک 1A گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے کھل جاتی ہے۔یہ راستہ بھارتی ریاست جموں وکشمیر کے مشرقی ترین علاقے لداخ تک کمک پہنچانے

کے حوالے سے بھارت کی اہم ترین گزرگاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔اس سڑک سے بھارت کو وہ راستہ بھی ملتا ہے جو اسے سیاچن کے متنازعہ گلیشیر تک پہنچنے کے لیے راہداری دیتا ہے۔[59] کارگل ریویو کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ہائی وے 1A میں رکاوٹ ''کئی سیاسی، سفارتی اور فوجی نتائج کی'' حامل ہے۔[60]

جنرل پرویز مشرف کی طرف سے تیار کیا گیا منصوبہ جو انہوں نے وزیراعظم نواز شریف سے بھی ڈسکس کیا، یہ تھا کہ ناردرن لائٹ انفینٹری کے کچھ جوانوں کو ان دنوں میں جب سرد موسم ہو، لائن آف کنٹرول کراس کرا کے متعدد مختلف مقامات پر تعینات کیا جائے جو دراس اور کارگل کے درمیان 100 کلومیٹر طویل کوریڈور پر واقع ہے۔اس کوریڈور میں ہائی وے 1A کا لائن آف کنٹرول سے فاصلہ کم سے کم رہ جاتا ہے۔اگلے مورچوں پر فوجوں کی واپسی سے قبل ان دخل اندازوں کو اس کاریڈور میں تقریباً 100 اہم مقامات پر اپنے بنکرز تعمیر کرنے تھے۔[61] منصوبہ یہ تھا کہ ان دنوں جب بھارتی فوجیں اگلے مورچوں سے واپس جا چکی ہوں گی تو یہ مقامات بھارت میں موجود فیصلہ سازوں پر برتری اور کامیابی کے لیے استعمال ہوں گے، کم از کم سکیم بنانے والوں کے ذہن میں یہی تھا۔

پیٹر لیوی کے مطابق:

''کارگل منصوبہ سازوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ بھارت ان کی اس مقامی فوجی مہم جوئی کے حوالے سے ردعمل نہیں دے گا جو انہوں نے فوجی ذرائع سے بہتر زمینی پوزیشن کے حوالے سے کی ہے اور اگر اس نے کوئی ردعمل دیا بھی تو پاکستان کی افواج اور اتحادیوں کی جانب سے مشترکہ دباؤ ممکنہ جوابی حملے کو نیوٹرالائز کرنے میں کامیاب ہو جائے گا''[62]

اس دخل اندازی پر بین الاقوامی پریشر سے نمٹنے کے لیے پاکستان کی فوجی لیڈرشپ نے یہ نقطہ نظر اختیار کیا کہ اس منصوبے اور اس کی عملداری میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

جب بھارت کو کافی تاخیر کے بعد اس دخل اندازی کا پتہ چلا تو اس وقت تک پاکستان ناردرن لائٹ انفینٹری کے سپاہیوں کو مجاہدین کا نام دے کر آپریشن کی جگہ پر تعینات کر چکا تھا۔اس پورے آپریشن میں اپنی شمولیت کے انکار کے حوالے سے پاکستان نے..... اس وقت جب بھارتی افواج اور فضائیہ کی جانب سے جوابی لڑائی شروع ہوئی تو..... یہ طرز عمل

اختیار کیا کہ انہوں نے دخل اندازوں کو لاجسٹک سپورٹ نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے ۔اسلام آباد کی جانب سے تیار کی گئی انوکھی کور سٹوری کا پردہ اس وقت چاک ہو گیا جب بھارت کے خفیہ اداروں نے جنرل پرویز مشرف اور چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل محمد عزیز کے مابین ہونے والی ایک فون کال کو ریکارڈ کیا جس میں دونوں کے درمیان کارگل آپریشن کے متعلق بات چیت کی گئی تھی اور جس کی بدولت پاکستان کی فوجی قیادت کی اس آپریشن میں انتہائی فعال اور گہری شمولیت کا ثبوت سامنے آ گیا۔(63)

31مارچ1999 میں ایک بھارتی ہیلی کاپٹر، جو خفیہ معلوماتی مشن پر تھا اس نے دخل اندازی کیے گئے علاقے میں فٹ پرنٹس ڈھونڈ نکالے، بعد کی پروازوں میں اگرچہ انہیں دخل اندازوں کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ (64) بھارتی حکومت کو دخل اندازی سے متعلق مزید معلومات 6 مئی کو اس وقت ملیں جب مقامی چرواہوں میں سے کچھ لوگوں نے انہیں بتایا کہ ان دنوں جب موسم سرما میں اگلی فوجی چوکیوں پر سپاہی موجود نہیں ہوتے انہوں نے لائن آف کنٹرول کی بھارتی جانب کچھ لوگوں کو نقل وحرکت کرتے دیکھا۔(65) 7اور 9 مئی کے درمیان بھارتی افواج اور خفیہ ایجنسیوں کو اس علاقے میں دخل اندازی کرنے والوں سے متعلق زیادہ مستند معلومات بھی مل گئیں۔جوں جوں پوزیشنیں دریافت ہوتی گئیں بھارت کی جانب سے ہر ایک پوزیشن کے لیے ایک بریگیڈ فوج تعینات کر دی گئی۔(66)

17 مئی کو بھارتی فوج نے دخل اندازوں کا پہلا باقاعدہ تخمینہ لگایا جو540 سے680 لوگوں کے درمیان تھا جو اس کاریڈور میں چار مختلف سیکٹرز میں موجود تھے۔(67) بھارت کی لڑاکا فوج نے اسی اثنا میں کچھ دخل اندازی کرنے والوں کو گرفتار بھی کیا جن سے تفتیش کے دوران جو معلومات ملیں ان کی روشنی میں مزید ثبوت بھی ان کے ہاتھ لگے، علاوہ ازیں ان لڑاکا فوجوں کی جوابی کارروائی میں دخل اندازوں کی جو ہلاکتیں ہوئیں ان کی ڈائریوں اور ڈاکومنٹس سے بھی بھارتی حکام کے ہاتھ کافی سارے ثبوت لگے۔جیسا کہ بروس رڈل کا کہنا ہے جو ان دنوں نیشنل سکیورٹی کونسل سٹاف میں متعین تھا اور جس نے بعد ازاں بتایا کہ پاکستان کی جانب سے آفیشل طور پر ملوث ہونے کا انکار ''تب کہیں بھی سنجیدگی سے نہیں لیا جا رہا تھا''(68)

MashalBooks.org

فوجی اقدامات

دخل اندازی کرنے والوں کو مار بھگانے سےمتعلق بھارتی افواج کے ابتدائی اقدام کو ناکامی کا سامنا ہوا اور انہیں کارگل سے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اس دوران بھارتی افواج کا بھاری نقصان بھی ہوا۔اس نقصان کے بعد مزید کمک لائی گئی جس میں انفینٹری بریگیڈز، بھاری آرٹلری یونٹس اور فضائی معاونت کے لیے بھارتی فضائیہ کے دستے بھی شامل تھے۔ بھارتی نیوی کے مشرقی بحری بیڑوں کو پاکستان کی جنوبی بندرگاہ کے سامنے تعینات کر دیا گیاجس سے پاکستان کی اہم ترین بندرگاہ خطرے کی زد میں آ گئی۔ بھارتی فضائیہ کی اس مشن میں شمولیت کا آغاز 26 مئی کو ہوا۔ فضائیہ کو وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی یہ ہدایات دی گئیں کہ لائن آف کنٹرول کو کراس نہیں کرنا۔فضائیہ کی اس مشن میں شمولیت کے بعد بھارت کو پہلا نقصان ایک مگ 21اور ایک مگ 27 کو گرائے جانے کی صورت میں ہوا۔[69] این ایل آئی کو 12.7 ملی میٹر اینٹی ائیر کرافٹ اسلحے سے مسلح کیا گیا تھا تا کہ اس کی دفاعی صلاحیت کو بڑھایا جا سکتا، تاہم یہ امر مبہم رہا کہ ان جہازوں کی تباہی کی وجہ اینٹی ائیر کرافٹ گنز بنیں، پائلٹ کی غلطی بنی یا پھر کسی فنی خرابی کی وجہ سے یہ جہاز تباہ ہوئے۔[70]

24 مئی کو بھارتی وزیراعظم واجپائی اور پاکستانی ہم منصب میاں نوازشریف کے مابین ٹیلی فون پر بات چیت ہوئی۔ اس گفتگو میں واجپائی کی طرف سے اس عہد کا اعلان کیا گیا کہ 'وہ تمام ممکنہ اقدامات اٹھائے جائیں گے' جوعلاقے سے دخل اندازوں کو پاک کرنے کے لیے ضروری ہوں گے'۔[71] دونوں کی جانب سے بیک چینل ڈپلومیسی کا بھی آغاز کیا گیا جس میں پاکستانی سفارت کار نیاز محمد اور بھارتی صحافی آر کے مشرا کو استعمال کیا گیا۔اسی دن امریکی سٹیٹ سیکرٹری کے اسسٹنٹ برائے جنوبی ایشیا کارل انڈرفرتھ نے واشنگٹن میں متعین پاکستان اور بھارت کے سفیروں کو خبر دار کیا کہ دونوں ملک مزید فوجی پیش رفت سے باز رہیں۔

26 مئی کو بھارتی فضائیہ کے ایک طیارے کی بدولت بھارتی خفیہ ایجنسیوں کو جنرل مشرف اور عزیز کی باہمی فون کال موصول ہوئی اور امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ میڈیلین البرائٹ نے اس تنازع سے متعلق پاکستانی وزیراعظم نوازشریف سے بات چیت بھی کی۔[72] 29 مئی کو

بھارتی فوج کی جانب سے اس خطے میں ایک اضافی انفینٹری بریگیڈ کا اضافہ کیا گیا۔[73] آثار بتا رہے تھے کہ ابھی جغرافیائی اور فائر پاور کے حوالے سے مزید فوجی پیش رفتوں کا امکان موجود ہے۔

بحران اپنے عروج پر

کارگل بحران کا عروج کا دور جون 1999 تھا جب پاکستان اور بھارت کو اپنے جوہری ہتھیاروں کو ٹیسٹ کیے ابھی تیرہ مہینے گزرے تھے۔ یوں جب پاکستانی فارن سیکرٹری شمشاد احمد کی جانب سے یہ بیان آیا ''پاکستان اپنی جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کے لیے کسی بھی قسم کے ہتھیاروں کو استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا'' تو اس بیان کے لفظوں میں واقعی وزن تھا۔[74] اس دھمکی کے بعد امریکی سفارتکاری میں تیزی آ گئی۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم سے رابطہ کیا اور سیکرٹری آف سٹیٹ البرائٹ نے دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ کو پیغامات بھیجے۔[75]

12 جون 1999 میں دونوں ملکوں کے باہمی مذاکرات شروع ہوئے۔ پاکستانی وزیر خارجہ سرتاج عزیز آرمی سے ہدایات لے کر دلی گئے۔ وہاں انہوں نے تجویز پیش کی کہ اقوام متحدہ کے مشاہدہ کاروں کو بلا کر لائن آف کنٹرول پر لڑنے والوں کی صحیح لوکیشن معلوم کرا لی جائے، یہ وہ پیشکش تھی جس کے بارے میں پاکستان کا خیال تھا کہ بھارت اس کو رد کر دے گا۔ اس کے بعد پاکستان سفارت کاروں نے الزام لگایا کہ بھارت نے مذاکرات کا دروازہ بند کیا ہے۔ تاہم یہ مہم جوئی واشنگٹن کی اس ججمنٹ کو بدلنے میں ناکام رہی کہ اس بحران کی اصل ذمہ دار پاکستان آرمی ہے اور اس کو ہی بحران کو حل کرنے کے لیے پیش قدمی کرنا ہوگی۔

15 جون کو صدر کلنٹن نے وزیراعظم نواز شریف کو فون کیا اور کہا کہ کارگل سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ کلنٹن نے بھارتی وزیراعظم واجپائی کو بھی فون کیا اور امریکہ کی ڈپلومیٹک پوزیشن .....کہ پاکستان کو لازما کارگل سے اپنی فوجیں واپس بلانا چاہئیں..... سے آگاہ کیا تاکہ وہ فوجی اقدامات سے گریز کریں۔[76]

جوں ہی امریکی سفارت کاری کا عمل تیز ہوا پاکستان نے اپنی فوجی پیش رفتیں روک دیں۔ جب کارگل پر موجود پاکستانی فوجیوں کی موجودگی عوامی سطح پر پھیل گئی تو نیاز محمد اور

آر کے مشرا کے ذریعے جاری بیک چینل ڈپلومیسی بھی منسوخ کر دی گئی۔مزید براں سرتاج عزیز کی طرف سے پہنچائی گئی تجویز کو بھی بھارت نے پاکستان کی طرف سے پیدا کیے گئے بحران پر پردہ ڈالنے کی کوشش سمجھکر رد کردیا۔ سفارت کار کی سطح پر در آنے والے اس خلا کو سینئر امریکی ڈپلومیٹس نے بھرا۔ پورے جون کے مہینے میں امریکی صدر بل کلنٹن اور سیکرٹری آف سٹیٹ البرائٹ تحریری اور زبانی طور پر اپنے پاکستانی اور بھارتی ہم منصبوں سے رابطے میں رہے۔امریکی سنٹرل کمانڈ کے سربراہ جنرل انتھونی زینی نے 7اور 20جون کو جنرل پرویز مشرف سے بات چیت کی۔(77)

جون کے وسط تک سینیئر امریکی اہلکاروں کو اس بات کو یقین ہو گیا کہ مزید اور ناقابل کنٹرول فوجی اقدامات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس تخمینے کی وجہ دو اہم پیش رفتیں بنیں۔ پہلی پیش رفت امریکہ اور بھارت کے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزرز برجیش مشرا اور سینڈی برگر کے درمیان ہونے والی وہ فون کال تھی جس میں برجیش مشرا نے کہا کہ بھارت لیے اب تحمل کی پالیسی پر مزید عمل پیرا رہنا ناممکن ہے اور غالبا اسے اپنی فوجوں کو لائن آف کنٹرول یا انٹرنیشنل بارڈر کراس کرنے کا حکم دینا پڑے گا۔تشویش کی دوسری وجہ وہ خفیہ معلومات تھیں جو وائٹ ہاؤس کو جون کے آخری دنوں میں موصول ہوئیں۔اس وقت کے امریکی ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ سٹروب ٹالبوٹ کے مطابق انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اشارے دیے ہیں کہ ''پاکستان اپنی جوہری طاقت کو استعمال کرنے کے حوالے سے اقدامات کر رہا ہے''(78)

جون کے آخری ہفتے میں زینی نے اسلام آباد کا دورہ کیا اور نواز شریف اور پرویز مشرف سے ملاقاتیں کیں۔ان کا پیغام اگرچہ سادہ تھا مگر سرد مہری پر مبنی تھا کہ ''اگر آپ اپنی فوجوں کو واپسی کا حکم نہیں دے رہے تو آپ جنگ اور اپنے ملک کی لیے جوہری تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔اور یہ خبر دنیا کے ہر شخص کے لیے ایک بری خبر ہوگی''(79)

تناؤ میں کمی

اس موقع پر وزیراعظم نواز شریف انخلا کی حکمت عملی کے حوالے سے پریشان تھے۔ پاکستان عالمی سطح پر مکمل طور پر تنہا ہو چکا تھا اور فل سکیل وار یا ایٹمی جنگ کا خطرہ سر ابھارے کھڑا تھا۔نواز شریف کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر اس تمام تر مہم جوئی کا الزام انہوں نے فوج پر لگایا تو

ملکی افواج ایک بار پھر حکومت پر قبضہ کر لیں گی۔2جون1999 کو نواز شریف نے بل کلنٹن کو فون کیا اور کہا کہ امریکہ فی الفور مداخلت کرے اور ''لڑائی رکوائے اور کشمیر کا مسئلہ بھی حل کرائے''(80) اگلے دن نواز شریف نے ایک بار پھر بل کلنٹن کو فون کیا اور کہا کہ وہ واشنگٹن آنا چاہتے ہیں اور صدر کلنٹن سے ذاتی طور پر ملنا چاہتے ہیں اور ان کی مدد لینا چاہتے ہیں۔ان دونوں ہی موقعوں پر کلنٹن نے واضح کر کے کہا کہ واپسی کا اب ایک ہی راستہ ہے کہ پاکستان اپنی افواج کو لائن آف کنٹرول سے واپس لائے۔جوں ہی نواز شریف واشنگٹن کے لیے روانہ ہوئے کلنٹن کے معاونت کاروں نے دو بیانات تیار کرنا شروع کر دیے ۔ ایک بیان یہ تھا کہ نواز شریف فوجوں کو واپس بلانے پر تیار ہو گئے ہیں اور دوسرا بیان اس صورت میں کہ اگر وہ اس بیان کے دینے سے انکار کرتے تو جاری کیا جانا تھا۔جو دوسرا بیان لکھا گیا تھا اس میں بحران کی ساری ذمہ داری پاکستان پر ڈالی جانی تھی۔(81)

14 جون کو نواز شریف واشنگٹن پہنچے۔کئی گھنٹوں کی بات چیت کے بعد اس مشترکہ بیان میں تھوڑی بہت ترمیم کے بعد نواز شریف راضی ہو گئے جس کے مطابق پاکستان فوجی انخلا پر تیار ہو گیا ہے ، وہ بیان جو کلنٹن کے عملے نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔بیان میں کہا گیا تھا کہ کارگل بحران میں ''ایسے بیچ موجود ہیں جو کسی بڑے تنازع کا موجب ہو سکتے ہیں'' اور اس میں مزید بتایا گیا کہ ''صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اس بات پر اتفاق ہوا ہے کہ لائن آف کنٹرول کی انہی پوزیشنوں پر بحالی کے لیے شملہ معاہدے کے مطابق ٹھوس قدم اٹھائے جائیں گے''۔(82) اس بیان نے وہ بنیادیں رکھیں جن کی بدولت این ایل آئی ٹروپس کی کارگل کی چوٹیوں سے واپسی کی راہ ہموار ہوئی۔12 جولائی کو نواز شریف نے اپنی تقریر میں اس بات کا اعلان کیا اور پاکستانی فوج کی اس میں ملوث ہونے سے اس وقت بھی انکار کیا۔بلکہ نواز شریف نے اصرار کیا کہ ''اب جبکہ مجاہدین کامیابی سے دنیا کی توجہ کشمیر کے مسئلے کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو یہ بات قابل فہم ہے کہ اب وہ واپس آنا چاہتے ہیں''۔(83)

MashalBooks.org

جڑواں چوٹیوں کا بحران

تمہید اور پیش واقعہ

کارگل بحران کے خاتمے کے دو سال بعد تک بھی پاک بھارت باہمی تعلقات خستہ تھے۔نئی دلی کی جانب سے2002 کا سارک سمٹ کومنسوخ کر دیا گیا جس کی وجہ ان کا یہ اعتراض تھا کہ ''اسلام آباد پر فوج کی حکومت ہے''[84] جموں وکشمیر میں پر تشدد واقعات کا سلسلہ ہنوز جاری تھاجسکا نقطہ عروج یکم اکتوبر2001 کا وہ واقعہ بنا جب سری نگر کی صوبائی اسمبلی پر بارود سے بھرے ایک ٹرک نے حملہ کیا جس میں35 بے گناہ شہری مارے گئے۔ پاکستانی انٹیلی جنس سروسز سے لنکس رکھنے والے دہشت گرد گروہ جیش محمد نے شروع میں اس حملے کی ذمہ داری قبول کی مگر بعد ازاں اپنے ملوث ہونے سے انکار کر دیا۔[85] 13 دسمبر کے حملے نے سری نگر اسمبلی پر ہونے والے حملے کو بھی پس منظر میں دھکیل دیا۔اس روز پانچ مسلح دہشت گردوں نے رائفلوں اور دھماکہ خیز مواد کے ساتھ نئی دلی میں بھارت کی پارلیمنٹ پر دھاوا بول دیا۔بظاہر ان حملہ آوروں کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ ایوان کے جاری اجلاس پر حملہ کیا جائے اور اراکین پارلیمنٹ بشمول وزیراعظم کو ہلاک کیا جائے۔ان کی بدقسمتی اور اس چھوٹی سی سکیورٹی فورس کی کوششوں سے ، جس کے ذمے اسمبلی کی عمارت کی سکیورٹی تھی، یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔دہشت گردوں کے حملے سے بے خبر اس دن ایوان کا اجلاس قبل از وقت ہی ختم ہو گیا تھا اور بہت سے اراکین بشمول سینئیر وزرا حملے کے وقت اسمبلی چھوڑ کر جا چکے تھے[86]۔

فوجی اقدامات

MashalBooks.org

امریکی صدر بل کلنٹن اور سیکرٹری آف سٹیٹ کولن پاول نے حملے کے دن اپنے ہم منصب بھارتی اہلکاروں کو فون کیا اور حملے کے حوالے سے اپنی ہمدردی کا اظہار اور کسی بھی قسم کی معاونت کا اظہار کیا۔اس گفتگو میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حملہ آوروں کی مکمل شناخت اور تفتیش سے قبل کسی کو ان حملوں کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جائے گا۔ پاکستان نے مشترکہ تفتیش کے حوالے سے تجویز دی تا کہ حملہ آوروں کی شناخت ہو سکے۔نئی دلی کی جلدی مکمل ہوجانے والے تفتیش میں لشکر طیبہ اور جیش محمد کو ان حملوں کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ جموں وکشمیر کی ریاستی اسمبلی پر ہونے والے حملے کی طرح یہاں بھی حملہ آوروں نے حملے کے فورا بعد کراچی فون کیا جو جیش محمد کے آپریشنل ونگ کی مرکزی کمین گاہ ہے۔ پاکستانی حکومت کے ترجمان کی طرف سے کہا گیا کہ یہ ٹیلی فون کالیں اتفاقی ہوسکتی ہیں اور کوئی ٹھوس شہادت نہیں بنتیں یا پھر ہوسکتا ہے کہ اس ثبوت کے ذریعے پاکستان پر یہ الزام لگانے کی کوشش کی جارہی ہو کہ یہ حملہ پاکستان نے کرایا ہے۔ پاکستانی حکومت کے ترجمان نے اس موقع پر یہ بھی کہا کہ پاکستان کی حکومت یا فوج کا بھارتی پارلیمنٹ پر ہونے والے حملے میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔[87]

سینیئر بھارتی حکام کی جانب سے پاکستانی ہم منصبوں کو مطالبات کی ایک فہرست بھیجی گئی، جس میں شامل مطالبوں میں، پاکستانی جیلوں میں قید 20 دہشت گردوں کی بھارت کو حوالگی، پاکستانی علاقوں میں موجود عسکری ٹریننگ کیمپوں کی بندش، اثاثوں کی منجمند گی اور جیش محمد اور لشکر طیبہ کے لیڈروں کی گرفتاری اور لائن آف کنٹرول سے دہشت گردوں کی فلٹریشن، شامل تھے۔[88] بھارت نے، ان مطالبات کے علاوہ بڑی تعداد میں اپنی فوجوں کو بھی نقل وحرکت دینا شروع کر دی اور ان کو لائن آف کنٹرول اور انٹرنیشنل بارڈر پر تعینات کر دیا، یہ فوجی تعیناتیاں 1971 کی جنگ کے بعد ہونے والی سب سے بڑی فوجی تعیناتیاں تھیں۔[89] اس فوجی پیش قدمی کو آپریشن پراکرم کا نام دیا گیا جس میں 80000 فوجی بشمول لڑاکا دستے جو ٹینکوں اور بھاری آرٹلری سے لیس تھے ، شامل تھے۔ فضائیہ کو متحرک کر دیا گیا اور کچھ سکوارڈنز کو بارڈر کے قریب اگلے مورچوں پر قائم اڈوں پر تعینات کیا گیا۔ جہاں تک بھارتی نیوی کا تعلق تھا تو اس کے مشرقی فلیٹ کے عناصر نے بھی بحیرہ عرب میں موجود مغربی بیڑے کو جوائن کر لیا تھا جس سے پاکستان کوسٹ لائن کو مکمل بندش کا خطرہ پیدا ہوگیا[90]۔

بھارتی فوج کے بین الاقوامی سرحدیں اور لائن آف کنٹرول پار کر کے حملوں کے منصوبوں کی

خبریں میڈیا میں بحث کا موضوع بنی ہوئی تھیں۔ رپوٹوں کے مطابق ان منصوبوں میں کمانڈو ریڈز شامل تھے جو لائن آف کنٹرول کی دوسری جانب دہشت گردوں کے ٹریننگ کیمپس پر ہونے تھے اور بڑے حملے بھی اس منصوبے میں شامل تھے جن کا مقصد لائن آف کنٹرول سے دوسری جانب علاقے پر قبضہ کیا جانا تھا۔ جموں وکشمیر میں موجود بھارتی فوج کے دستوں کو جنگی پوزیشن میں لے آیا گیا۔(91)

آپریشن پراکرم پاکستانی سینیئر حکام کو بھارتی مطالبات ماننے پر مجبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وقت جب بھارت اپنی فوج کو اگلے مورچوں پر تعینات کر رہا تھا 19 دسمبر کو پاکستان کے فارن آفس سے بیان جاری کیا گیا جس میں بھارتی مطالبات کو رد کر دیا گیا اور کہا گیا کہ بھارت کو مشترکہ انکوائری کے حوالے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور بھارت نے پاکستانی حکام کو مطلوبہ شہادتیں بھی مہیا نہیں کی ہیں۔20 دسمبر کو صدر بش نے لشکر طیبہ کے اثاثے منجمند کر دیے۔ 24 دسمبر کو امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے لشکر طیبہ اور جیش محمد کو اس امریکی فہرست میں جمع کر لیا جنہیں فارن ٹیررسٹ آرگنائزیشن کہا جاتا ہے۔اس اقدام کے بعد امریکی شہریوں کے لیے یہ بات غیر قانونی قرار پائی کہ وہ ان تنظیموں کو چندہ یا مادی مدد دے سکتے۔ علاوہ ازیں امریکی اہلکاروں کو اختیار مل گیا کہ وہ ان تنظیموں کے ارکان یا ان کی نمائندگی کرنے والوں کو ویزا دینے سے انکار کر دیں اور بیرونی امریکی بنکوں میں موجود ان تنظیموں کے بنک اکاؤنٹ بھی منجمند ہو گئے۔(92)

پہلی چوٹی

2001 کے اختتام کے قریب بحران اپنی پہلی چوٹی کے سرے پر پہنچ گیا تھا۔ پاکستانی اور بھارتی مسلح افواج کو متحرک کر کے اگلے مورچوں پر تعینات کیا جا چکا تھا جہاں وہ مختصر حکم پر جنگ شروع کر سکتے تھے۔دونوں ملکوں کی اعلی اتھارٹیز نے جوہری ہتھیاروں کو لے جانے والی ٹرانسپورٹ کو بھی انتہائی تیاری کا حکم دے دیا۔27 دسمبر کو بھارتی اخبار دی ہندو نے لکھا کہ بھارتی پرتھوی شارٹ بیلسٹک میزائلوں کو پنجاب میں ڈپلائے کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی فوجوں کی جانب سے بھی حتف 1 اور حتف 2 شارٹ رینج بیلسٹک میزائلوں کو انٹرنیشنل بارڈر پر پنجاب میں ڈپلائے کرنے کی خبریں آئیں۔ یہ بھارتی اور پاکستان شارٹ بیلسٹک میزائل

روایتی اور جوہری دونوں قسم کے ہتھیاروں کو لے جانے کی صلاحیت کے حامل تھے[93]۔
دسمبر کے اختتام تک حکام کے لہجوں میں گرمی بڑھ چکی تھی۔30 دسمبر کو بھارتی وزیر خارجہ جارج فرنینڈس کا یہ بیان نقل ہوا'' ہم حملہ سہہ سکتے ہیں، اس سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور جوابی حملہ بھی کر سکتے ہیں جس سے پاکستان ختم ہو جائے گا''۔ اس بیان میں مزید کہا گیا کہ''ہر کوئی آگے بڑھنے کی خواہش میں مرا جارہا ہے، بھارتی آرمی ہو یا فضائیہ سب کا یہی حال ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انہیں جو چیز پریشان کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مقام پر کوئی آکر یہ نہ کہہ دیا جائے کہ جنگ نہیں ہو رہی''[94]۔فوجی پیش قدمی کے علاوہ بھارتی لیڈروں نے کچھ اور بھی قدم اٹھائے تاکہ ان کے پاکستان ہم منصب بھارتی مطالبات کو ماننے کے حوالے سے دباؤ میں آسکیں۔یکم جنوری2002 نئی دلی اورلاہور کے مابین شروع ہونے والی حالیہ بس سروس کو بھی منسوخ کر دیا(جسکا افتتاح بھارتی وزیراعظم نے اپنے ہاتھوں سے کارگل بحران سے قبل فروری1999 میں کیا تھا)۔کراس بارڈر ٹرانزٹ روٹس اس سے پہلے دونوں ملکوں کے مابین باہمی تعلقات کی بہتری کے حوالے سے علامتی اہمیت کی حامل تھیں[95]۔

وقفہ

بحران کے پہلے عروج کے دوران فوجی گرما گرمی کو کنٹرول میں رکھنے کے حوالے سے متعدد عناصر کارفرما رہے۔آپریشن پراکرم کے تحت فوجی تعیناتیاں ایک ماہ تک جاری رہیں، اتنا ہی عرصہ پاکستانی فوج کونقل وحمل اورتعیناتی کے حوالے سے لگا، جس نے امریکہ اور دیگر فارن کرائسس منیجر کو موقع فراہم کیا کہ وہ گریز اور جنگ کو ٹالنے کے حوالے سے کوششیں کر سکیں۔ بھارت اور پاکستان کے لیڈرز اور ان کے کرائسس منیجرز بھی فوجی گہما گہمی اور تصادم سے جڑے خطرات سے متعلق تشویش کا شکار تھے۔بھارتی وزیراعظم واجپائی پیش قدمی کے حوالے سے جھجک رہے تھے کہ کہیں دور رس حوالوں سے باہمی نارمل تعلقات کی کوششیں ہوسکیں[96]۔

جنوری2002 میں دیگر متعدد واقعات بھی ہوئے جو جنگ مخالف تھے۔ایک پہلو تو یہ تھا کہ پاکستانی فوج کی ری ڈپلائی کی صلاحیت شاندار رہی تھی جو بھارتی حملے کے طے شدہ مقاصد

کے تیز تر حصول کی نفی کر رہے تھی[97]۔ علاوہ ازیں انڈین آرمی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے بھارت کے سٹرائیک کورپس کے ہیڈ کو جنوری میں ہٹایا جا چکا تھا جو اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے عمل کر رہا تھا۔ بھارتی حکومت کے اس اقدام سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ساری فوجی سرگرمی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے جنگ کا پیش خیمہ سمجھا جا تا[98]۔ سارک سمٹ جو نیپال میں منعقد ہوا، اس موقع پر 5 جنوری کو صدر پرویز مشرف کی جانب سے واجپائی کی طرف دوستانہ انداز میں ہاتھ بڑھانا بھی ایک عندیہ تھا[99]۔

ایک اہم عنصر جو اس بحران کی پہلی چوٹی میں تحلیل کا باعث بنا وہ تھا 12 جنوری 2002 کا صدر پرویز مشرف کا خطاب .....امریکی سفارتی حلقے بار بار صدر مشرف سے اس خواہش کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ عوامی سطح پر کچھ ایسے عندیے دیں جو کشیدگی کو کم کرنے کا باعث ہوں اور یہ تقریر اس سمت میں ایک اہم قدم تھی۔ مشرف نے اس تقریر میں اعلان کیا کہ پاکستان میں کسی گروپ کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ اپنے نام کے ساتھ جیش (آرمی)، لشکر (رضا کار فورس) یا سپاہ (فوجی) کا لفظ لگائے اور نہ ہی کسی گروپ کو یہ اجازت دی جائے گی کہ وہ کشمیر میں دہشت گردی کی کسی کارروائی کے لیے پاکستانی زمین کو استعمال کرے۔ علاوہ ازیں انہوں نے پانچ تنظیموں پر بھی پابندی عائد کی اور ان کے لیڈروں کو گھروں میں نظر بند کرنے کا حکم دیا، سینکڑوں ہزاروں عسکریت پسندوں کو گرفتار کیا اور ان کے کچھ اثاثہ جات بھی ضبط کیے۔ اس تقریر میں مشرف نے کسی کو بھی بھارت کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت کی تصدیق کرتے ہوئے بھارت سے کہا کہ کشمیر میں ''ریاستی دہشت گردی کو روکے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو ختم کرے''[100]۔

جنوری اور فروری کے درمیان دونوں ملکوں کے درمیان تناؤ کی شدت رہی۔ جموں و کشمیر میں بھی پر تشدد واقعات کا سلسلہ جاری رہا، اور اس عرصے میں ہونے والے کم از کم تین حملوں کا الزام لشکر طیبہ پر لگا[101]۔ جنوری سے لیکر مارچ 2002 کے دوران جموں و کشمیر میں ہونے والے عسکریت پسندوں کے حملوں میں 1008 ہلاکتیں ہوئیں[102]۔ مشرف کی تقریر کے اگلے مہینے میں بھارت نے جوہری بم لے جانے کے قابل میزائل اگنی 2 کا تجربہ کیا اور پاکستانی اہداف پر بھارت کے حملے سے متعلق کچھ نئی معلومات بھی منظر عام پر آئیں۔ بھارتی آرمی چیف ایس پدمانا بھن نے پہلے جنوری اور پھر مارچ میں پریس کو دیے گئے اپنے بیان میں

ایٹمی جنگ کی دھمکی دی جس کا جواب بھی ایسی ہی دھمکی کی صورت میں جنرل پرویز مشرف کی طرف سے مارچ میں سامنے آ گیا[103]۔فروری میں سینیٹ انٹیلی جنس کمیونٹی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے کہا کہ پاک بھارت جنگ کا امکان ''1970 کے بعد سے لیکر اب تک ، اس وقت سب سے زیادہ ہے''[104]۔

فوجوں کی تعیناتی کے کئی مہینے بعد تک نئی دلی مسلسل ''فوجوں کی واپسی سے انکار کرتا رہا تاوقتیکہ کراس بارڈر فلٹریشن ختم نہیں ہوتی، تب تک باہمی مذاکرات کے سلسلے کو منقطع رکھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی بیرونی طاقت کی مصالحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا''[105]۔ بحران کی پہلی چوٹی کے بعد سے چونکہ تناؤ چلا آ رہا تھا اور بھارت کو بغیر جنگ کے ہی ایک بڑی فوج متحرک رکھنا پڑ رہی تھی جو اس کے لیے مہنگا سودا ہونے کی وجہ سے اب مشکل ہوتا جا رہا تھا۔فروری سے مئی تک کے دور کو پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے بحران کے وقفے کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔

بحران کی دوسری چوٹی

12 جنوری کی تقریر میں مشرف کی طرف سے کیے گئے وعدوں کو عملی شکل نہ مل سکی۔اپریل میں بھارت مخالف گروپوں پر جو ملک کی سکیورٹی ایجنسیوں کا پریشر تھا اسے بھی کم کر دیا گیا۔ بہت سے عسکریت پسند جنہیں 12 جنوری کی تقریر کے بعد گرفتار کیا گیا تھا انہیں بھی رہا کر دیا گیا، ٹیررسٹ ٹریننگ کیمپس بھی بند نہ ہوئے اور لشکر طیبہ اور جیش محمد کے قائدین کو دوستانہ گھر کے اندر نظر بندی کا سامنا رہا۔ بحران کی دو چوٹیوں کے درمیان جاری اس وقفے کا خاتمہ 14 مئی کے اس شدت پسندوں کے حملے میں ہوا جس میں 31 لوگوں کے جانیں گئی تھیں اور جس کے بعد بھارت بھر خاص طور پر آرمی کے جوانو ں میں غصہ عروج پر پہنچ گیا..... یہ حملہ جموں کے علاقے کالو چک میں اس جگہ ہوا جہاں بھارتی سپاہیوں کے خاندان کی رہائش گاہیں تھیں۔

صدر بش نے ایک بار پھر وزیراعظم واجپائی کو فون کیا اور حملے کی مذمت کرتے ہوئے اسے ''خوفناک اور اشتعال انگیز'' قرار دیا۔واجپائی حکومت نے بھارت میں پاکستان کے ہائی کشنر کو ملک چھوڑ کر چلے جانے کا کہا (اسلام آباد میں ان کے ہم منصب کو دسمبر میں پہلے ہی

وہاں سے بلالیا گیا تھا)۔اس کے بعد بھارتی وزیراعظم نے جموں وکشمیر میں اگلے مورچوں کا دورہ کیا اور جوانوں سے خطاب کیا۔انہوں نے بااصرار کہا کہ کوئی ''یہ نہ سمجھے کہ ہم لازماً ہی ایسے چیزوں کو برداشت کرتے رہیں گے''اور تقریر کے آخر میں کہا''ہماری منزل فتح ہونی چاہیے.....کیونکہ وقت آ گیا ہے کہ اب فیصلہ کن جنگ لڑ لی جائے''[106]۔اس تبصرے نے خبروں میں سنسنی بڑھا دی اور بڑے پیمانے پر یہ مفروضہ جڑ پکڑ گیا کہ اب جنگ کا ٹلنا ناممکن ہے۔بہت سے امریکی اہلکاروں کا بھی خیال تھا کہ اب جنگ اٹل ہے۔

جنگی سرگرمی میں دوبارہ آنے والی ان پیش رفتوں نے امریکی تشویش میں اضافہ کر دیا۔راجستھان میں تین لڑاکا دستوں نے اپنی پوزیشنیں دوبارہ سنبھال لیں،جس سے اندازہ ہورہا تھا کہ عالمی سرحد اور لائن آف کنٹرول پر جنگوں کے دو محاذ گرم ہونے کو ہیں[107]۔ کالوچک حملے کے دس دن بعد پاکستانی آرمی کی طرف سے انڈیا سمیت مختلف ملکوں کو نوٹیفکیشن بھیجا گیا کہ 25اور 28 مئی کو شارٹ اور میڈیم رینج کے میزائلوں کا ٹیسٹ کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا گیا کہ ان تجربوں کا موجودہ 'سنگین علاقائی صورت حال' سے کوئی تعلق ہے[108]۔ان میزائلوں کے تجربے کے علاوہ پاکستانی میڈیا پر جوہری ہتھیاروں کے استعمال کے حوالے سے کھلی بحثیں بھی شروع کر دی گئیں۔31 مئی کو پاکستانی سفارت کار منیر اکرم نے اقوام متحدہ میں جوہری ہتھیاروں کے مسئلے کو اٹھایا اور اپنے اس عزم کا ایک بار پھر اظہار کیا کہ پاکستان جوہری ڈاکٹرائن 'پہلے استعمال نہ کرنے' کو رد کرتا ہے[109]۔7اپریل کو مشرف کا یہ بیان نقل ہوا کہ''..... اگر پاکستان پر دباؤ زیادہ بڑھایا گیا تو جوہری ہتھیاروں کے استعمال کا (امکان ہے) جو پاکستان اپنے دفاع کے لیے آخری حربے کے طور پر کرسکتا ہے''[110]۔بھارتی اخبارات نے اس حوالے سے کئی نیوز سٹوریز مزید بھی دیں اور بھارت کے فوجی منصوبوں پر روشنی ڈالی[111]۔

تخفیف

27 مئی کی جنرل مشرف کی دوسری تقریر وہ کلیدی نکتہ تھی جو فوجی تناؤ میں کمی لانے کا باعث بنی۔اس تقریر میں ایک بار پھر مشرف نے وعدہ کیا کہ دہشت گردی اور کراس بارڈر فلٹریشن کو روکنے کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں گے۔انہوں نے کہا''لائن آف کنٹرول پر کسی قسم

کی کوئی انفلٹریشن نہیں ہو رہی ..... پاکستان کبھی اپنی سرزمین سے دنیا کے کسی بھی حصے میں دہشت گردی کو ایکسپورٹ کرنے کی اجازت نہیں دے گا''[112]۔امریکہ نے غیر ضروری سفارتی عملے کو 31 مئی کو حکم دیا جو بھارتی سفارت خانے اور قونصلیٹس میں موجود تھا کہ وہ ملک چھوڑ دیں۔5 جون کو امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے بڑے پیمانے پر یہ وارننگ بھی دی گئی کہ اس خطے کی طرف سفر نہ کیا جائے[113]۔اس کے بعد برطانیہ، جاپان، فرانس، جرمنی، اسرائیل اور دیگر ممالک کی جانب سے بھی اس طرح کے اقدامات کا اعلان کیا گیا[114]۔شہریوں کی واپسی اور سفری پابندیوں کا اعلان امریکہ کی جانب سے واضح خدشات کا اظہار تھا۔علاوہ ازیں یہ اقدامات اس امر کا بھی اظہار تھے کہ بحران کے طویل ہونے کی صورت میں بھارت کی سیاحت اور تجارت کو کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے۔

ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ آرمیٹج کا خطے کا دورہ تناؤ کم کرنے کے حوالے سے اہم ترین نقطہ تھا۔صدر بش اور دیگر سینیئر امریکی اہلکاروں نے فون پر مسلسل صدر مشرف اور واجپائی سے رابطہ رکھ کر آرمیٹج کے مشن کو آسان کرنے کی کوشش جاری رکھی۔6 جون کو آرمیٹج کو کامیابی مل ہی گئی جب وہ مشرف سے یہ وعدہ لینے میں کامیاب ہو گئے کہ کراس بارڈر فلٹریشن ''مستقل اور عملی'' طور پر بند کی جائے گی اور ''دیگر ایسے اقدامات بھی کیے جائیں گے جو اس نوع کی سرگرمیوں کی بیخ کنی کے لیے درکار ہوں گے،ان کیمپوں کو بھی ختم کیا جائے گا جہاں سے اس طرح کی دہشت گرد کارروائیوں کو سرانجام دیا جاتا ہے''[115]۔اس کے فورا بعد 8 جون کو آرمیٹج نے بھارت کا دورہ کیا اور ان وعدوں سے متعلق بھارت کی سینیئر قیادت کو ذاتی سطح پر آگاہ کیا اور پھر اس کے بعد ان کی ایما پر ان وعدوں سے متعلق عام لوگوں کے سامنے ان کا اعلان بذریعہ پریس کیا گیا۔آرمیٹج کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے امریکی ڈیفنس سیکرٹری ڈونلڈ رمزفیلڈ اس کے بعد خطے کے دورے پر آئے اور انہوں نے بھی امریکی صدر کی جانب سے جنگ سے گریز کرنے کا پیغام پہنچایا۔

آرمیٹج اور رمزفیلڈ کے دوروں کے بعد جنگ کے امکانات کم ہو گئے۔ایک بار پھر اگلے مورچوں پر موجود فوجی جنگی احکامات کا انتظار ہی کرتے رہ گئے ، ان احکامات کا جن کا امکان کم سے کم ہو چلا تھا۔تاہم بھارتی فوج انٹرنیشنل بارڈر اور لائن آف کنٹرول پر ستمبر اور اکتوبر 2002 کے چار مراحل پر مشتمل ریاستی انتخابات کے انعقاد تک تعینات رہی۔ انتخابات

کے انعقاد کے فوراً بعد بھارت نے آپریشن پراکرم ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے نوٹس دیا کہ اس کے فوجی اگلے مورچوں سے واپس آرہے ہیں[116]۔ پاکستان نے بھی اگلے مورچوں سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

MashalBooks.org

ممبئی بحران

تمہید اور پیش واقعہ

21 ستمبر 2008 کو لشکر طیبہ کے پاکستانی ارکان نے ایک بھارتی ماہر گیر کشتی کو اغوا کیا۔ 26 نومبر کو اغوا کار ممبئی کی بندرگاہ پر پہنچے، کشتی کے عملے کو قتل کیا اور کشتیوں کے جمگھٹے سے اس پار شہر کی طرف بڑھے۔ دس کے قریب حملہ آور چار مختلف گروپوں میں بٹ گئے، چاروں گروپ ہی حملہ آور رائفلوں اور گرینیڈز سے مسلح تھے۔ اگلے 60 گھنٹوں میں ان لوگوں نے ممبئی شہر کے اہم مقامات پر 172 لوگوں کو ہلاک کیا..... ان اہم مقامات میں مرکزی ٹرین سٹیشن (چھترپتی شیوا جی ٹرمینس)، ناریمن ہاؤس (ایک کمپلیکس جسے یہودی Chban Lubavich تحریک چلا رہی تھی)، لیو پولڈ کیفے اور دو بڑے ہوٹل دی ٹراڈنٹ اوبرائے ہوٹل اور تاج ہوٹل شامل تھے۔ 29 نومبر کی صبح تاج محل ہوٹل کے محاصرے میں..... جہاں دہشت گردوں کا آخری گروپ سرگرم عمل تھا..... اسے صاف کرا لیا گیا۔ دس میں سے نو حملہ آور مارے گئے۔ ایک زخمی ہوا جسے پولیس نے گرفتار کر لیا[118]۔

بحران کے دوران 28 نومبر کو پاکستانی صدر آصف علی زرداری کو ایک فون کال موصول ہوئی۔ کالر نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ بھارتی وزیر خارجہ پرناب مکھر جی ہے۔ دس دن بعد ایک پریس کانفرنس میں پرناب مکھر جی نے بتایا کہ انہوں نے اس طرح کی کوئی فون کال نہیں کی تاہم یہ واقعہ اتنا اہم نوعیت کا تھا کہ حملے کے بعد کئی دنوں تک جاری رہنے والے کنفیوژن کا یہ نکتہ عروج رہا[119]۔ حملے کے تھوڑے ہی دن بعد مکھر جی نے کہا کہ ''ابتدائی شواہد اور موقع واردات کے شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حملہ آوروں کا تعلق پاکستانی عناصر

سے ہے''[120]۔صدر آصف علی زرداری نے واجپائی کو فون کیا اور کہا کہ وہ اس حملے کا سن کر''صدمے اور دکھ'' کی کیفیت میں ہیں، اور کہا کہ غیر ریاستی عناصر کو اس قابل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ''حکومتوں پر اپنا ایجنڈا تھوپ سکیں''[121]

فوجی اقدامات

اس بحران کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے نتیجے میں فوری طور پر کسی قسم کی فوجی سرگرمی سامنے نہیں آئی حالانکہ حملہ آوروں نے ممبئی کے اہم اور علامتی اہداف کو نشانہ بنایا تھا اور جانی نقصان بھی بہت زیادہ ہوا تھا۔شروع میں زرداری کا رویہ بھی مہربان تھا مگر آہستہ آہستہ دونوں ممالک کے سفارتکار وہی زبان بولنے لگے جو وہ بولنے کے عادی چلے آرہے تھے۔یکم دسمبر2008 کو بھارت میں موجود پاکستان کے ہائی کمشنر شاہد ملک کو نئی دلی میں وزارت خارجہ کے جوائنٹ سیکرٹری ٹی سی راگھوان کی جانب سے بلایا گیا۔راگھوان نے ملک کو بتایا کہ حملہ'اشتعال انگیز' تھا اوراس سے دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات 'شدید مجروح' ہو سکتے ہیں۔علاوہ ازیں راگھوان نے کہا کہ ذمہ داروں کے خلاف آپ 'سخت اقدامات 'کریں[122]۔اگلے دن پاکستانی وزیر خارجہ نے دہشت گردی کو 'میجر چیلنج'اور 'مشترکہ دشمن' قرار دیتے ہوئے جوائنٹ انوسٹی گیشن کی تجویز پیش کی تا کہ حملہ آوروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے۔قریشی نے اس موقع پر بھارتی تفتیشی اقدامات کے حوالے سے تعاون کی پیشکش کی تاہم ان20لوگوں کو بھارت حوالگی کے حوالے سے کوئی بات نہ کی جو بھارت نے پاکستان سے مانگے تھے، یا درہے ان میں سے اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو بھارت نے جڑواں چوٹیوں کے بحران کے دوران بھی طلب کیے تھے[123]۔

بش انتظامیہ فوراً اس بحران کی تحلیل کے حوالے سے آگے بڑھی۔ایف بی آئی کی ایک ٹیم یکم دسمبر2008 کو ممبئی پولیس کی مدد کرنے کے لیے بھارت پہنچی[124]۔ اہم ترین امریکی کرائسس منیجر کنڈولیز رائس نے اپنا یورپ کا دورہ مختصر کیا اور بھارتی ہم منصب وزیر خارجہ پرناب مکھر جی سے ملنے تین دسمبر کو بھارت پہنچیں۔انہوں نے اس موقع پر کہا کہ پاکستان کی ''خصوصی ذمہ داری'' ہے کہ وہ ان حملوں کے حوالے سے بھارت کی معاونت کرے اور اس امر کو یقینی بنائے کہ اس کی زمین کسی بھی نوع کی دہشت گردی کی سرگرمیوں کے لیے استعمال

نہ ہو۔اس کے ساتھ ہی کنڈولیزا رائس نے بھارت کو بھی خبردار کیا کہ وہ ایسے اقدام سے گریز کرے جو کسی بھی قسم کے 'ناپسندیدہ اور نامطلوب' نتائج کا باعث بنیں۔اس وقت جب رائس بھارت میں تھی، امریکی چیئرمین آف جوائنٹ سٹاف مائیکل مولن اسلام آباد میں تھے۔ جہاں وہ صدر آصف علی زرداری اور آرمی چیف اشفاق پرویز کیانی سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ پاکستان ''ان حملہ آوروں کے کسی بھی قسم کے پاکستانی گروپوں سے تعلقات کے حوالے سے سنجیدہ تفتیش کرے''[125]۔ رائس بھارت میں اپنی ملاقاتوں کی تکمیل کے بعد پاکستان آئیں تا کہ مولن کے پہنچائے گئے پیغام کو زیادہ موثر کر سکیں۔اس حوالے سے ان کی ملاقات صدر زرداری ، وزیراعظم گیلانی، وزیرخارجہ قریشی،اور آرمی چیف کیانی سے ہوئی۔ ان لیڈروں کی جانب سے کہا گیا کہ پاکستان اپنے کسی شہری کے خلاف اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھائے گا جب تک انہیں ممبئی حملے میں ملوث ہونے کے کوئی ''ٹھوس ثبوت''نہیں دیے جاتے۔ کچھ ایسی رپورٹس بھی سامنے آئیں کہ اس موقع پر رائس نے 'ناقابل تردید' شواہد بھی پیش کیے کہ پاکستانی شہری اس حملے میں ملوث تھے اور اگر پاکستان نے ان کے خلاف کارروائی نہ کی تو امریکہ ان کے خلاف کارروائی کرے گا[126]۔

پاکستان کی سکیورٹی فورسز نے محدود پیمانے پر کچھ دہشت گردوں کے خلاف کارروائیاں کیں ۔7دسمبر کو پاکستانی اہلکاروں نے مظفر آباد کے نزدیک ایک کیمپ سے لشکر طیبہ کے 22ارکان کو گرفتار کیا، جن میں ایک شخص ذکی الرحمٰن لکھوی بھی شامل تھا جو بھارت کے مطابق ممبئی حملوں کو منظّم کرنے والا تھا[127]۔پاکستانی فارن سیکرٹری سلمان بشیر نے بھارتی ہائی کمشنر ستیہ براتا کے ذریعے بھارت کو پیغام بھجوایا کہ پاکستان لشکر طیبہ کے ان ممبروں کو بھارت کے حوالے نہیں کرے گا جنہیں پاکستانی فورسز نے گرفتار کیا ہے۔اس موقع پر بشیر نے کہا کہ جوائنٹ انوسٹی گیشن کے حوالے سے پاکستان کی حمایت بھارت کو حاصل رہے گی اور اگر کسی پاکستانی شہری کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت بھارت کے پاس ہے تو وہ پاکستان کے حوالے کرے[128]

۔

لشکر طیبہ اور اس کے حمایتیوں پر بیرونی پریشر بڑھ رہا تھا۔10دسمبر کو اقوام متحدہ کی القاعدہ اور طالبان پر پابندیاں لگانے والی کمیٹی نے لشکر طیبہ کے چار ارکان پر پابندی لگانے کے ساتھ ساتھ فلاحی اور خیراتی اسلامی تنظیم جماعت الدعوہ پر بھی پابندی لگاتے ہوئے اسے بھی

MashalBooks.org

دہشت گرد تنظیموں میں شامل کر لیا، لشکر طیبہ اسی کی ہی ایک شاخ ہے[129]۔اقوام متحدہ کے ان اقدامات کے بعد تاخیری حربے استعمال کرنے کے بعد اولا پاکستان نے جماعت الدعوہ کے ان نو دفاتر کو بند کر دیا جن کا ممبئی حملوں سے تعلق تھا اور بعدازاں 13 دسمبر کو اس جماعت پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔تاہم متعدد اخباروں کی جانب سے یہ رپورٹ سامنے آئی کہ پابندیوں کے حوالے سے باقاعدہ اقدامات نہیں کئے گئے اور جلد ہی جماعت الدعوہ نے نئے نام سے اپنی تنظیم کر دی۔[130]

عروج

اس بحران کے عروج کا زمانہ تیزی سے گزر گیا۔پچھلے بحرانوں کی نسبت اس میں زمینی افواج کی نقل وحرکت بھی نہ ہوئی، حالانکہ سفارت کاری کی سطح پر کئی منفی اشارے دسمبر میں دونوں ملکوں کی جانب سے سامنے آئے۔2004 میں سارک سمٹ کے بعد 'جامع مذاکرات' کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا بھارت نے اسے بھی روک دیا۔پاکستانی اہلکاروں نے تقریبا عالمی سطح کے اس نقطہ نظر کو ماننے سے شدت سے انکار کرنا شروع کر دیا کہ اس کے شہری ان حملوں میں ملوث تھے۔17 دسمبر کو صدر زرداری نے کہا کہ 'ابھی تک کوئی ایسی ٹھوس شہادت سامنے نہیں لائی گئی جو یہ ثابت کرتی ہو کہ ممبئی حملوں میں پاکستانی شہری ملوث تھے'[131]۔ بھارت کی طرف سے الزام تراشی کے لہجے میں بھی تندی آنا شروع ہوگئی۔بھارتی وزیر خارجہ پرناب مکھر جی نے کہا کہ پاکستان 'انتہائی خطرناک خطوط پر آگے بڑھ رہا ہے جس سے خطے میں اور اس سے ماورا عالمی امن کو بھی خطرات لاحق ہو گئے ہیں' اور زور دیتے ہوئے کہا کہ 'بھارت کے لیے ابھی تمام آپشنز کھلے ہیں'[132]۔

14 دسمبر کو پاکستانی وزیر اطلاعات شیری رحمٰن نے کہا کہ گذشتہ روز بھارتی فضائیہ کے لڑاکا جیٹس نے پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی ہے۔شیری نے بتایا کہ اگرچہ پاکستانی فضائیہ اس وقت انتہائی چوکسی کی حالت میں تھی ،اس عمل کو 'غیر محتاط' قرار دیتے ہوئے وزیر اطلاعات نے کہا کہ 'خواہ مخواہ خطرات بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں'[133]۔22 دسمبر کو پاکستانی فضائیہ نے پنڈی ، اسلام آباد، لاہور اور آزاد کشمیر پر آزمائشی پروازیں کیں۔

22دسمبر کو ایک بار پھر وزیر خارجہ پرناب مکھر جی نے سفارتکاروں کے ایک گروپ کے سامنے کہا کہ اس حملے کے جواب میں ابھی بھارت کے پاس تمام آپشن موجود ہیں۔اس وقت جب پاکستانی فضائیہ کی جانب سے مشقیں جاری تھیں ایڈمرل مائک ملن ایک بار پھر پاکستان آئے تاکہ پاکستانی افواج کے سینئر لیڈروں سے مذاکرات کا دوسرا دور ہو سکے۔جنرل کیانی نے ملن کو بتایا کہ'پاکستان امن چاہتا ہے مگر بھارت کی طرف سے اگر کسی بھی قسم کی جارحیت کی گئی تو اسی لہجے میں اس کا جواب دیا جائیگا'[134]۔24دسمبر کو بھارت کی مغربی فضائیہ کے سربراہ ائیر مارشل پی کے باربورا نے مقامی بھارتی پریس کے سامنے بیان دیا کہ بھارت نے5000پاکستانی اہداف کو'نشان زد' کرلیا ہے جہاں حملے کیے جائیں گے[135]۔

دسمبر کے آخری دنوں میں پاکستان نے اپنے مغربی بارڈر یعنی افغانستان کی سرحد سے متعدد فوجی دستے واپس بلا لیے اور انہیں مشرقی سرحد پر تعینات کر دیا۔ پاکستان کے دو انٹیلی جنس اہلکاروں کے نام کو خفیہ رکھتے ہوئے نیو یارک ٹائمز نے غلط خبر دی کہ فوجی دستے ''جنگ کے لیے انتہائی الرٹ حالت میں ہیں''[136]۔کیونکہ پاکستان نے جو فوجی دستے تعینات کیے تھے ان کی تعداد20000سے زیادہ نہیں تھی۔تاہم پاکستان اور بھارت کی جانب سے تمام فوجی عملے کی چھٹیاں منسوخ کر دی گئیں، جو اس بات کی نشاندہی کر رہی تھیں کہ دونوں ملک فوجی تعیناتیاں کرنے والے ہیں یا ٹروپ فارمیشن کر رہے ہیں[137]۔

تخفیف

پاکستان کی جانب سے فوجی سرگرمی میں ہوتا اضافہ اور پاک بھارت سینیئر اہلکاروں کی جانب سے جاری بیان بازی میں آتی تندی کو دیکھتے ہوئے دلی اور اسلام آباد میں موجود سینیئر قیادت نے تناؤ میں کمی لانے کے حوالے سے اقدامات کرنا شروع کیے۔ پورے خطے میں موجود میڈیا اگرچہ فوجی نقل وحرکت کی خبروں سے بھرا پڑا تھا مگر اس کے باوجود 26دسمبر کو بھارت کی طرف سے متعین کیے گئے اسلام آباد کے ہائی کمشنر پال نے سیکرٹری خارجہ پاکستان بشیر سے ملاقات کی۔پال نے بشیر کو بتایا کہ بھارت کے کوئی جنگی منصوبے نہیں ہیں بلکہ بھارت چاہتا ہے کہ دہشت گردی کے خطرے سے ''قانونی اور انتظامی عمل'' کے ذریعے سے نمٹا جائے۔اس ملاقات سے ایک دن بعد پاکستانی وزیراعظم یوسف رضا گیلانی

نے کہا کہ ’’ پاکستان ایک امن سے محبت کرنے والا ملک ہے اور وہ کسی قسم کی جنگ یا جارحیت نہیں چاہتا‘‘[138]۔تھوڑے ہی عرصے کے بعد دونوں ملکوں کی ڈائریکٹرز جنرل ملٹری آپریشنز کی ہاٹ لائن پر بات چیت ہوئی جس میں پچھلے کچھ عرصے میں ہونے والی فوجی پیش رفتوں کے حوالے سے تفصیلی معلومات کا تبادلہ ہوا۔

5 جنوری 2009 کو بھارتی حکومت کی طرف سے پاکستان کو 69 صفحوں پر مشتمل ایک مسودہ دیا گیا جس میں ان لنکس کی نشاندہی کی گئی تھی جو ممبئی حملہ آوروں اور پاکستان کے درمیان تھے۔ اس مسودے کی کاپیاں میڈیا اور تمام غیر ملکی دارالحکومتوں کو بھی بھیجی گئیں، جس سے پاکستان پر دباؤ بڑھایا گیا کہ وہ لشکر طیبہ اور اس کی ہم خیال تنظیموں کے حوالے سے مزید کارروائیاں کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئی دلی نے پاکستان کے ساتھ کاؤنٹر ٹیررازم کے حوالے سے معلومات کے تبادلے کے حوالے سے بھی تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا[139]۔15 جنوری کو بھارتی وزیرخارجہ مکھر جی نے اعلان کیا کہ پہلے حملوں میں ملوث عناصر کے خلاف پاکستان میں قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، یوں بھارت نے اپنے اس مطالبے میں ترمیم کر لی جس کے تحت قبل ازیں ان لوگوں کو بھارت کے حوالے کیا جانا تھا۔ یہ اقدامات شاہد تھے کہ بھارت مثبت نتائج کے لیے کام کرنے پر تیار تھا[140]۔

ان بھارتی اقدامات کے جواب میں پاکستانی حکومت کا ردعمل پر جوش نہیں تھا۔ بھارت کی طرف سے بھیجے گئے مسودے کے جواب میں پاکستانی وزیراعظم گیلانی کا ردعمل یہ تھا ’’جو کچھ بھارت کی جانب سے سرکاری طور پر موصول ہوا ہے، یہ صرف کچھ معلومات ہیں۔ میں انہیں ’معلومات‘ اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ انہیں شہادت یا ثبوت نہیں کہا جا سکتا‘‘[141]۔تاہم گیلانی نے یہ بھی کہا کہ ’’سنجیدہ ،متواتر اور نتائجیت پسندانہ باہمی تعاون کو جاری رکھا جائے گا‘‘۔ اور پھر 12 جنوری 2009 کو وزیراعظم گیلانی کے وزیر برائے داخلہ امور رحمان ملک نے کہا کہ پاکستان نے 124 لوگوں کو گرفتار کیا ہے جن کا تعلق لشکر طیبہ اور دیگر عسکریت پسند تنظیموں سے ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت کے ارادے اچھے ہیں[142]۔

2009 اور 2010 میں بھی نچلے درجے کی کشیدگی پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے موجود رہی۔ بھارتی حکام نے ممبئی حملے کے دوران پکڑے جانے والے حملہ آور اجمل قصاب کو عدالت میں پیش کیا۔ امریکی محکمہ انصاف نے ڈیوڈ ہیڈلی کے ساتھ ایک ڈیل طے کی، اس

شخص نے ان حملوں میں لشکر طیبہ کے معاون کا کردار ادا کیا تھا، اس ڈیل کے تحت اس شخص نے لشکر طیبہ سے متعلق معلومات فراہم کیں جو بھارتی حکومت کے حوالے کی گئیں(143)۔ حملے کے بعد پاکستان کی جانب سے گرفتار کیے گئے ملزمان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا عمل سست روی کا شکار رہا کیونکہ تین بار ان کیسوں کو سننے والے ججوں کا تبادلہ کیا گیا(144)۔ کاؤنٹر ٹیررازم کے حوالے سے پاکستان اور بھارت کے مابین تعاون بہت محدود رہا۔ پاکستان اور بھارت کے کمزور حکمرانوں کی جانب سے جامع مذاکرات کا احیا بھی 2011 میں جا کر ہوا۔

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 2

پاک بھارت پرامید سفارت کاری کی راہ میں حائل ہلاکت خیز حملے اور عناصر

نیتھن کوہن

ایڈیٹر کا نوٹ:

پاکستان اور بھارت کے مابین اچھے تعلقات کے مخالف عناصر کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کبھی نارمل نہ ہوسکیں۔ اگرچہ اس نوع کے عناصر دونوں ملکوں میں موجود ہیں مگر پاکستان میں یہ عناصر بہت مضبوط ہیں اور محض ایک عامل نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ذیل میں دی گئی فہرست اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔کیونکہ پاک بھارت اچھے تعلقات کے مخالف پاکستانی عناصر کے روابط ملک کے سکیورٹی اداروں سے گہرے ہیں۔جب بھی وسیع پیمانے پر غارت گری پھیلانے والے حملے اس نیت کے ساتھ کیے جاتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے مابین پرامید سفارت کاری کے عمل میں رکاوٹ ڈالی جائی تو دونوں ملکوں کے قومی لیڈر دو قسم کا ردعمل دکھاتے ہیں..... یا تو وہ حملہ کرنے والوں کے مکروہ عزائم قبول کر لیتے ہیں یا ان کے ایجنڈے کو ترک کرتے ہوئے منصوبے کے مطابق سفارت کاری کے عمل

MashalBooks.org

کو جاری رکھتے ہیں۔حملوں کی شدت جتنا زیادہ ہوتی ہے سفارت کاری سے متعلق پیش قدمی کو جاری رکھنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔مثال کے لیے 2008 کے ممبئی حملوں کو دیکھ لیں جن کے بعد دو سال سے جاری تعلقات کی بحالی کا عمل معطل ہوگیا۔2011 میں نئی دلی اور اسلام آباد نے ایک بار پھر جامع مذاکرات کے عمل کو بحال کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے تحت مسئلہ کشمیر، پانی ،تجارت اور دیگر اہم معاملات پر بات ہونا طے ہے۔ مذاکرات کی بحالی ایک بار پھر ان عناصر کو سرگرم کرسکتی ہے جو ہمیشہ دونوں ملکوں کے مابین اچھے اور نارمل تعلقات کے مخالف رہے ہیں۔

MashalBooks.org

کارگل سے پہلے

15 اکتوبر 1998

خارجہ سیکرٹریز کی سطح پر پاک بھارت مذاکرات بحال ہوئے۔[1]

18 نومبر 1998

خارجہ سیکرٹریز کی سطح پر جاری مذاکرات کے عمل میں سیاچن ،تلبال، وولر، سرکریک، دہشت گردی، ڈرگ ٹریفکنگ ،معاشی اور تجارتی تعاون سمیت دوستانہ تبادلے کے حوالے سے مباحث شامل کیے گئے۔[2]

18 جنوری 1999

خارجہ سیکرٹریز کی سطح پر کشمیر کے مسئلے پر بات چیت وسط فروری میں ہونا قرار پائی۔[3]

21 فروری 1999

بھارتی وزیراعظم واجپائی نے لاہور کا علامتی دورہ کیا۔ اس دورے میں بھارتی وزیراعظم اور پاکستانی وزیراعظم نواز شریف نے افہام وتفہیم کی یادداشت پر دستخط کیے۔[4]

6 مارچ 1999

پاکستان اور بھارت کے مابین قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔[5]

19 مارچ 1999

سارک سمٹ میں پاک بھارت وزرائے خارجہ کے درمیان ملاقات ہوئی جس میں چھ نکاتی عملی پروگرام پر اتفاق رائے ہوا جس کے مطابق باہمی تعلقات کی تیز تر بہتری اور جامع

MashalBooks.org

مذاکرات کے عمل کو آگے بڑھانے پر اتفاق کیا گیا۔[6]

18 اپریل 1999

پاکستانی وزیراعظم نواز شریف نے ایک بار پھر اپنے عزم کا اعادہ کیا کہ مذاکرات کے ذریعے باہمی تعلقات کو بہتر کیا جائے گا۔[7]

28 اپریل 1999

بھارت میں سیاسی انتشار کے باوجود دونوں ملکوں نے خارجہ سیکرٹریز کی سطح کے مذاکرات کو شروع کرنے پر اتفاق کیا۔[8]

8 مئی 1999

کارگل کے نزدیک لائن آف کنٹرول پر بھارت کی گشتی آرمی ٹیم نے پاکستانی دخل اندازوں کی نقل وحرکت کا سراغ لگا لیا۔[9]

بھارتی پارلیمنٹ پر حملے سے پہلے

27 جولائی 2001

پاکستانی صدر پرویز مشرف نے بھارتی وزیراعظم واجپائی کو پاکستان کے دورے کی دعوت دی۔[10]

30 جولائی 2001

بھارتی وزیراعظم واجپائی نے کہا کہ انہیں مشرف کی دعوت قبول ہے۔[11]

11 اگست 2001

سارک سمٹ میں پاکستان اور بھارت کے خارجہ سیکرٹریز کی ملاقات ہوئی۔[12]

6 ستمبر 2001

بھارتی وزیراعظم نے کہا کہ مذاکرات سے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور مذاکرات جاری رکھنے

MashalBooks.org

کے عمل کی اہمیت پر زور دیا۔[13]

1 اکتوبر 2001

شدت پسندوں نے جموں وکشمیر کی ریاستی اسمبلی پر حملہ کیا۔[14]

8 اکتوبر 2001

واجپائی اور مشرف کے درمیان ٹیلی فون پر بات ہوئی۔مشرف نے جموں وکشمیر کی ریاستی اسمبلی پر حملے کرنے والوں کے خلاف تفتیش کا وعدہ کیااور مذاکرات کے عمل کو جاری رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔[15]

9 اکتوبر 2001

پاکستانی صدر مشرف نے کھلے بندوں مذاکرات کے احیا کی ضرورت پر زور دیا۔[16]

25 نومبر 2001

بھارتی وزیراعظم واجپائی نے کہا کہ سارک سمٹ کے دوران صدر مشرف سے ملاقات کا امکان موجود ہے۔ پاکستانی صدر مشرف نے بھی کہا کہ وہ سارک سمٹ میں بھارتی وزیراعظم سے کشمیر کے علاوہ دیگر معاملات پر بھی بات کریں گے۔[17]

13 دسمبر 2001

پانچ مسلح دہشت گردوں نے بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ کر کے سات لوگوں کو ہلاک کر دیا۔[18]

ممبئی ٹرین حملے سے پہلے

27 اپریل 2006

پاک بھارت حکومتوں نے ایٹمی خطرات کو کم کرنے پر اتفاق کیا۔لائن آف کنٹرول پر مزید فوجی چوکیاں قائم نہ کرنے اور سرحد پار کرجانے والوں کی فی الفور واپسی پر بھی اتفاق ہوا۔[19]

3 مئی 2006

MashalBooks.org

پاک بھارت حکومتوں نے پونچھ (جموں) اور راولا کوٹ (آزاد کشمیر) کے درمیان بس سروس اور سری نگر، مظفر آباد کے درمیان ٹرک سروس کے آغاز پر بھی اتفاق کیا تا کہ لائن آف کنٹرول کی دونوں جانب باہمی تجارت کو فروغ دیا جا سکے۔[20]

24 مئی 2006

پاک بھارت حکومتوں نے مرحلہ وار جامع مذاکرات کے عمل کو جاری رکھنے پر اتفاق کیا۔[21]

25 مئی 2006

کشمیر کے مسئلے پر باہمی طور پر پانچ ورکنگ گروپ تشکیل دیے گئے۔[22]

30 مئی 2006

پاک بھارت حکومتوں نے لائن آف کنٹرول کی دونوں جانب محدود اشیا کی تجارت پر باقاعدہ رضامندی ظاہر کی۔[23]

31 مئی 2006

پاک بھارت حکومتوں نے قیدی ماہی گیروں اور دیگر عام قیدیوں کو چھوڑنے پر اتفاق کیا۔[24]

18 جون 2006

پاکستانی وزیراعظم شوکت عزیز نے کشمیر پر نئے سرے سے مذاکرات کی خواہش کا اظہار کیا۔[25]

11 جولائی 2006

ممبئی میں ٹرین حملے کے نتیجے میں 209 لوگ ہلاک ہوئے۔[26]

سمجھوتہ ایکسپریس حملے سے پہلے

6 دسمبر 2006

پاکستانی صدر مشرف نے کہا کہ اتفاق رائے سے کشمیر پیکٹ ممکن ہے۔[27]

18 دسمبر 2006

MashalBooks.org

خارجہ سیکرٹریز کی سطح کے مذاکرات میں نرم ویزا پالیسی پر معاملات میں پیش رفت ہوئی۔[28]

20دسمبر2006

پاکستانی صدر مشرف نے کہا کہ کشمیر پر 'مطلوب پیش رفت' متوقع ہے۔[29]

21دسمبر2006

بھارتی وزیراعظم سنگھ نے پاکستان اور بھارت کے مابین دوستانہ تعلقات، امن اور سکیورٹی سے متعلق معاہدوں کی اہمیت پر زور دیا۔[30]

22دسمبر2006

پاک بھارت اتھارٹیز نے قیدیوں کا تبادلہ کیا۔[31]

22دسمبر2006

پاک بھارت دفاعی اہلکاروں نے سرکریک معاملے پر پیش رفت کو تسلی بخش قرار دیا۔[32]

27دسمبر2006

پاکستان نیوی کے سربراہ نے کھلے بندوں توقع ظاہر کی کہ پاکستان اور بھارت کے مابین سرکریک معاملہ دوستانہ انداز میں حل ہونا چاہیے۔[33]

14جنوری2007

بھارتی وزیر خارجہ مکر جی اور پاکستانی صدر مشرف کی ملاقات کے حوالے سے دعوی کیا گیا کہ اہم معاملات پر پیش رفتیں ہوئی ہیں۔[34]

15جنوری2007

بھارتی وزیراعظم سنگھ نے کہا کہ سیاچن معاملات پر پیش رفت ہوئی ہے۔[35]

25جنوری2007

پاکستانی وزیراعظم نے بھارت کے یوم جمہوریہ کے موقع پر بھارتی وزیراعظم کو خیر سگالی کا پیغام بھیجا۔[36]

2فروری2007

MashalBooks.org

پاکستان صدر مشرف نے کہا کہ پاک بھارت تعلقات بہتری کی طرف جارہے ہیں اور طرفین باہمی مسائل کے حوالے سے پرامن حل کے متمنی ہیں۔[37]

14 فروری 2007

بھارتی بارڈر سکیورٹی فورس کے انسپکٹر جنرل وشواکرما نے کہا کہ آئندہ مذاکرات میں پاکستان رینجرز سے کراس بارڈر فلٹریشن کے حوالے سے بات چیت ہوگی۔[38]

17 فروری 2007

پاک بھارت حکومتوں نے ایٹمی خطرات کو کم کرنے پر اتفاق کیا۔[39]

18 فروری 2007

سمجھوتہ ایکسپریس پر پانی پت (ہریانہ، بھارت) کے نزدیک حملے میں 68 لوگ مارے گئے۔[40]

کابل۔ سفارت خانے پر ایمبیسی حملے سے پہلے

11 مئی 2008

پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی اور بھارتی وزیر خارجہ پرناب مکر جی کے مابین کشمیر سے متعلق مخصوص معاملات بشمول ویزا اور سفر کے حوالے سے بات ہوئی۔[41]

13 مئی 2008

جے پور بم دھماکے میں 80 لوگ مارے گئے۔[42]

21 مئی 2008

بھارتی خارجہ سیکرٹری شوشنکر مینن اور پاکستانی سیکرٹری خارجہ سلمان کے درمیان بات چیت میں کشمیر سے متعلق مخصوص اعتماد سازی پر مبنی اقدامات کے حوالے سے مذاکرات ہوئے جن میں لائن آف کنٹرول کے ذریعے آسان آمدورفت کے حوالے سے تین راہداریاں کھولنے پر پیش رفت ہوئی۔[43]

MashalBooks.org

21 مئی 2008

قونصلر تک رسائی کے حوالے سے پاک بھارت معاہدے پر دستخط ہوئے۔[44]

22 مئی 2008

پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے کہا ''پاکستان ، بھارت کے ساتھ بڑی مصالحت کے لیے تیار ہے''۔ انہوں نے مزید کہا کہ ''دہشت گردی دونوں ملکوں کے لیے یکساں طور پر لعنت ہے''۔ علاوہ ازیں انہوں نے بھارتی وزیراعظم کے پاکستان کے دورے کے منصوبے کا بھی اعلان کیا۔[45]

1 جون 2008

پاک بھارت حکومتیں جموں وکشمیر کے بگلیہار ڈیم اور آزاد کشمیر کے نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کی انسپکشن پر متفق ہوئیں۔[46]

3 جون 2008

امور کشمیر اور شمالی علاقوں کے وزیر قمر زمان کائرہ نے 'اشارہ' دیا کہ کشمیر کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور بتایا کہ پاکستان اس پوزیشن میں ہے کہ وہ مذاکرات کے عمل کو تیز تر کر سکے۔[47]

24 جون 2008

اینٹی ٹیررازم مکینزم کے پلیٹ فارم پر بھارتی اور پاکستانی اہلکار اس بات پر متفق ہو گئے کہ دہشت گردی کے حملوں کی روک تھام کے لیے معلومات کا تبادلہ ہونا چاہیے۔[48]

28 جون 2008

پاکستانی وزیر خارجہ نے بھارتی ہم منصب سے اپنی ملاقات کو 'انتہائی' اہم قرار دیتے ہوئے مذاکرات کے اگلے مرحلے کا شیڈول دیا جو 21 جولائی کو ہونا تھے۔[49]

7 جولائی 2008

کابل میں بھارت کے سفارت خانے پر حملے کے نتیجے میں 41 لوگ مارے گئے۔[50]

MashalBooks.org

ممبئی حملے سے پہلے

25 ستمبر 2008

پاکستانی صدر آصف زرداری اور بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ نے واہگہ اٹاری روڈ لنک اور کھوکھراپار موناباؤ ریل روٹ کو ہر قسم کی تجارت کے لیے کھولنے کا باقاعدہ اعلان کیا۔[51]

26 ستمبر 2008

پاکستانی صدر آصف زرداری نے اقوام متحدہ میں بھارتی وزیراعظم سے ہونے والی اپنی ملاقات کو 'دوررس' نتائج کی حامل قرار دیا۔[52]

9 اکتوبر 2008

آزاد کشمیر کے بزنس رہنماؤں کے ایک وفد نے لائن آف کنٹرول کے پار تجارت کے حوالے سے مذاکرات کے سلسلے میں سری نگر کا دورہ کیا۔[53]

11 اکتوبر 2008

پاکستان کے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر میجر جنرل (ر) محمود درانی بھارتی وزیراعظم سنگھ اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں سے ملنے نئی دلی گئے۔[54]

17 اکتوبر 2008

پاکستان کے انڈس واٹر کمشنر جماعت علی شاہ اور بھارتی ہم منصب جی رنگ ناتھن کے درمیان چناب پر بات چیت ہوئی۔[55]

22 اکتوبر 2008

چھ دہائیوں بعد پاکستان اور بھارت نے کشمیر ٹریڈ روٹ کھول دیا۔[56]

24 اکتوبر 2008

دہشت گردی کے خلاف دونوں ملکوں کے جوائنٹ اینٹی ٹیررازم مکینزم کا اجلاس ہوا۔[57]

25 اکتوبر 2008

بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ اور پاکستانی وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی ایشیا یورپ سمٹ (ASEM) میں ملاقات ہوئی، دونوں نے دہشت گردی کو ''مشترکہ دشمن'' قرار دیا۔[58]

25 نومبر 2008

پاکستان نے 101 بھارتی قیدی بشمول 99 ماہی گیر رہا کر دیے۔[59]

26 نومبر 2008

ممبئی حملوں میں 164 افراد کی ہلاکت۔[60]

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 3

بھارت میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے

(2002-11)

نیتھن کوہن اور ولیم شمر

ایڈیٹر کا نوٹ:

اس ضمیمے میں2002 سے اب تک ہونے والے ان بڑے ہلاکت خیز حملوں کی فہرست دی گئی ہے جن میں بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ پاکستان سے متعلق اس نوعیت کے ضمیمے میں بھی یہ اصول اختیار کیا گیا تھا کہ وہ حملے ''بڑے ہلاکت خیز حملے ہیں جن میں پانچ یا اس سے زیادہ ہلاکتیں ہوئیں اور جن کے مرتکبین غیر ریاستی عناصر تھے''..... یوں اس فہرست میں وہ ہلاکتیں شامل نہیں جو بھارت کی مسلح افواج اور ملک میں سرگرم مسلح گروہوں کے مابین جھڑپوں میں ہوئیں۔ بارودی سرنگوں کے پھٹنے سے ہونے والا جانی نقصان بھی اس فہرست سے خارج ہے اور ان حملوں کو بھی اس فہرست میں جگہ نہیں دی گئی ہے جن میں ہلاکتوں کی تعداد پانچ سے کم تھی۔

فہرست میں شامل مواد کا ماخذ ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل.....SATP (جو دہلی میں قائم شدہ Conflict Management ادارے سے منسلک ایک ادارہ ہے) اور عالمی سطح پر حادثات کی کھوج لگانے اور ریکارڈ رکھنے والا ادارہ نیشنل

کاؤنٹر ٹیررازم سینٹر.....NTCT(NTCT امریکی حکومت کا قائم کردہ ایک ادارہ ہے) ہیں۔ بلا شبہ یہ ماخذ مستند ہیں مگر یہ جامع نہیں ہیں، کیونکہ NTCT کے ڈیٹا میں وہ حملے شامل نہیں جو 2004 سے قبل ہوئے یا اپریل 2011 کے بعد کیے گئے۔ دوسری جانب SATP کے اعداد و شمار کا فوکس ''اسلامی دہشت گردی'' ہے اور اس میں بھارت میں بڑے پیمانے پر ہونے والے دیگر گروہوں کے حملوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ یوں اس ضمیمے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں 2004 سے قبل ہونے والے حملے شامل ہیں نہ وہ حملے جن کا شبہ غیر مسلم تنظیموں پر تھا اور نہ ہی اس میں وہ اموات شامل ہیں جو اپریل 2011 کے بعد ہوئیں۔

بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کا باعث بننے والے حملے بھارتی ریاست جموں و کشمیر میں عام ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ریاستیں جہاں Naxalite تشدد عام ہے، جن میں چھتیس گڑھ، بہار اور جھاڑکھنڈ شامل ہیں۔ 2002 سے تا حال 80 بڑے ہلاکت خیز حملے جموں و کشمیر میں ہوئے جن میں 658 ہلاکتیں ہوئیں جبکہ 148 بڑے ہلاکت خیز حملے بھارت کی دیگر ریاستوں میں ہوئے جن میں 2565 لوگ ہلاک ہوئے۔ اگرچہ بڑے ہلاکت خیز حملے زیادہ تر کم گنجان آباد علاقوں میں ہوئے مگر مہلک ترین حملے گنجان آباد شہری علاقوں میں ہی ہوئے۔ ان بڑے ہلاکت خیز حملوں میں سب سے زیادہ نقصان جس بھارتی شہر کو اٹھانا پڑا وہ ممبئی رہا۔ 11 جون 2006 کو ممبئی کی سات ٹرینوں پر سات بم دھماکوں کے نتیجے میں 209 لوگ ہلاک ہوئے۔ نومبر 2008 میں تاج ہوٹل اور دیگر اہداف پر کیے جانے والے حملوں میں 164 کے قریب عام بے گناہ شہری مارے گئے۔ اسی کتاب کے ضمیمہ نمبر 4 میں ان بڑے ہلاکت خیز حملوں کی تفصیل بھی دی گئی ہے جو پاکستان میں ہوئے اور یہ حملے بھارت میں ہونے والے حملوں سے کہیں زیادہ تعداد میں ہوئے۔

MashalBooks.org

بھارت میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے

تاریخ	مقام	اموات
20 جنوری 2002	جموں و کشمیر	11
22 جنوری 2002	مغربی بنگال	5
16 فروری 2002	جموں و کشمیر	8
30 مارچ 2002	جموں و کشمیر	7
30 اپریل 2002	جموں و کشمیر	5
13 مئی 2002	اتر پردیش	12
14 مئی 2002	جموں و کشمیر	36
13 جون 2002	جموں و کشمیر	25
5 اگست 2002	جموں و کشمیر	9
9 ستمبر 2002	جموں و کشمیر	5
11 ستمبر 2002	جموں و کشمیر	12
24 ستمبر 2002	گجرات	33
2 اکتوبر 2002	جموں و کشمیر	5
11 نومبر 2002	جموں و کشمیر	8
22 نومبر 2002	جموں و کشمیر	6
23 نومبر 2002	جموں و کشمیر	19
24 نومبر 2002	جموں و کشمیر	13
6 دسمبر 2002	ممبئی	25
21 دسمبر 2002	آندھرا پردیش	20
13 مارچ 2003	ممبئی	12
14 مارچ 2003	جموں و کشمیر	11

MashalBooks.org

23مارچ2003	جموں وکشمیر	24
25اپریل2003	جموں وکشمیر	7
26اپریل2003	جموں وکشمیر	5
19 مئی2003	جموں وکشمیر	6
26 مئی2003	جموں وکشمیر	5
28جون2003	جموں وکشمیر	12
21جولائی2003	جموں وکشمیر	7
22جولائی2003	جموں وکشمیر	8
25اگست2003	ممبئی	52
6 ستمبر2003	جموں وکشمیر	7
3جنوری2004	تری پورا	5
19جنوری2004	آسام	8
3مارچ2004	جموں وکشمیر	7
9مارچ2004	جموں وکشمیر	5
24مارچ2004	آسام	27
8اپریل2004	جموں وکشمیر	9
12جون2004	جموں وکشمیر	5
22جون2004	جھاڑکھنڈ	6
24جون2004	آسام	6
25جون2004	جموں وکشمیر	12
2جولائی2004	جموں وکشمیر	6
19جولائی2004	جموں وکشمیر	5
28جولائی2004	جموں وکشمیر	5
4اگست2004	جموں وکشمیر	9
15اگست2004	آسام	17

MashalBooks.org

3 ستمبر2004	جھاڑ کھنڈ	5
2 اکتوبر2004	آسام	35
2 اکتوبر2004	آسام	14
3 اکتوبر2004	آسام	6
4 اکتوبر2004	آسام	6
4 اکتوبر2004	آسام	6
5 اکتوبر2004	آسام	10
5 اکتوبر2004	آسام	10
9 اکتوبر2004	جموں و کشمیر	5
29 اکتوبر2004	مدھیہ پردیش	12
15 نومبر2004	جموں و کشمیر	6
3 دسمبر2004	جموں و کشمیر	5
5 دسمبر2004	جموں و کشمیر	10
7 جنوری2005	جموں و کشمیر	5
5 فروری2005	جموں و کشمیر	5
1 مارچ2005	آندھرا پردیش	8
12 مارچ2005	آندرا پردیش	7
10 مئی2005	آسام	5
30 مئی2005	مہاراشٹر	8
13 جون2005	جموں و کشمیر	15
19 جون2005	چھتیس گڑھ	8
24 جون2005	جموں و کشمیر	9
16 جولائی2005	چھتیس گڑھ	7
18 جولائی2005	جموں و کشمیر	6
19 جولائی2005	جموں و کشمیر	6

MashalBooks.org

20 جولائی 2005	جموں و کشمیر	5
28 جولائی 2005	چھتیس گڑھ	12
28 جولائی 2005	اتر پردیش	7
29 جولائی 2005	جموں و کشمیر	5
12 اگست 2005	جموں و کشمیر	5
15 اگست 2005	آندھرا پردیش	10
17 اگست 2005	جموں و کشمیر	5
5 ستمبر 2005	جھاڑکھنڈ	11
9 ستمبر 2005	جموں و کشمیر	6
11 ستمبر 2005	جھاڑکھنڈ	15
14 ستمبر 2005	آسام	8
25 ستمبر 2005	تری پورا	8
30 ستمبر 2005	چھتیس گڑھ	5
9 اکتوبر 2005	جموں و کشمیر	5
10 اکتوبر 2005	جموں و کشمیر	10
17 اکتوبر 2005	آسام	23
29 اکتوبر 2005	نئی دلی	62
1 نومبر 2005	جموں و کشمیر	10
13 نومبر 2005	بہار	12
14 نومبر 2005	جموں و کشمیر	6
15 نومبر 2005	جموں و کشمیر	6
23 نومبر 2005	جموں و کشمیر	5
9 فروری 2006	چھتیس گڑھ	8
28 فروری 2006	چھتیس گڑھ	55
5 مارچ 2006	چھتیس گڑھ	5

MashalBooks.org

6مارچ2006	چھتیس گڑھ	6
7مارچ2006	اتر پردیش	15
7مارچ2006	ورانسی	28
14اپریل2006	جموں وکشمیر	5
16اپریل2006	چھتیس گڑھ	10
24اپریل2006	بہار	7
25اپریل2006	چھتیس گڑھ	15
25اپریل2006	بہار	6
26اپریل2006	بہار	6
30اپریل2006	جموں وکشمیر	13
1مئی2006	جموں وکشمیر	22
1مئی2006	جموں وکشمیر	13
18مئی2006	بہار	9
21مئی2006	آسام	7
21مئی2006	جموں وکشمیر	5
9جون2006	آسام	5
12جون2006	جموں وکشمیر	10
20جون2006	چھتیس گڑھ	7
8جولائی2006	جموں وکشمیر	5
11جولائی2006	جموں وکشمیر	6
11جولائی2006	ممبئی	209
11جولائی2006	جموں وکشمیر	9
17جولائی2006	چھتیس گڑھ	29
4اگست2006	آسام	6
11اگست2006	آسام	5

MashalBooks.org

8 ستمبر 2006	مہاراشٹرا	31
4 اکتوبر 2006	جموں و کشمیر	8
6 اکتوبر 2006	آسام	12
5 نومبر 2006	آسام	5
5 نومبر 2006	آسام	6
10 نومبر 2006	جموں و کشمیر	6
5 جنوری 2007	آسام	6
5 جنوری 2007	آسام	70
5 جنوری 2007	آسام	8
6 جنوری 2007	آسام	8
7 جنوری 2007	آسام	7
8 فروری 2007	ناگالینڈ	7
8 فروری 2007	جموں و کشمیر	5
18 فروری 2007	ہریانہ	68
8 مارچ 2007	منی پور	5
9 مارچ 2007	منی پور	5
15 مارچ 2007	چھتیس گڑھ	54
29 مارچ 2007	جموں و کشمیر	5
30 مارچ 2007	جموں و کشمیر	5
6 اپریل 2007	جھارکھنڈ	6
18 مئی 2007	آندھرا پردیش	12
26 مئی 2007	آسام	6
30 جون 2007	بہار	9
10 جولائی 2007	چھتیس گڑھ	25
17 جولائی 2007	چھتیس گڑھ	6

MashalBooks.org

29جولائی2007	جموں وکشمیر	7
8اگست2007	آسام	9
10اگست2007	آسام	14
17اگست2007	جموں وکشمیر	5
25اگست2007	آندھرا پردیش	43
29اگست2007	چھتیس گڑھ	12
11اکتوبر2007	جموں وکشمیر	7
14اکتوبر2007	پنجاب	7
27اکتوبر2007	جھاڑکھنڈ	17
29اکتوبر2007	چھتیس گڑھ	5
23نومبر2007	اتر پردیش	14
27نومبر2007	آسام	11
13دسمبر2007	آسام	5
16دسمبر2007	منی پور	8
1جنوری2008	رام پور	7
15فروری2008	اڑیسہ	16
19فروری2008	آسام	5
17مارچ2008	منی پور	7
8اپریل2008	جھاڑکھنڈ	8
10اپریل2008	بہار	6
13اپریل2008	بہار	6
11مئی2008	آسام	8
13مئی2008	ناگالینڈ	6
13مئی2008	راجستھان	64
15مئی2008	آسام	10

MashalBooks.org

13 جون 2008	جموں و کشمیر	5
29 جون 2008	آسام	35
29 جون 2008	اڑیسہ	7
30 جون 2008	جھاڑکھنڈ	5
4 جولائی 2008	جموں و کشمیر	5
16 جولائی 2008	اڑیسہ	17
19 جولائی 2008	جموں و کشمیر	10
24 جولائی 2008	جموں و کشمیر	5
26 جولائی 2008	گجرات	56
21 اگست 2008	بہار	7
27 اگست 2008	جموں و کشمیر	8
2 ستمبر 2008	میزورام	6
13 ستمبر 2008	نئی دلی	31
27 ستمبر 2008	جموں و کشمیر	8
29 ستمبر 2008	مہاراشٹرا	5
21 اکتوبر 2008	منی پور	17
30 اکتوبر 2008	آسام	81
31 اکتوبر 2008	آسام	10
25 نومبر 2008	چھتیس گڑھ	7
26 نومبر 2008	ممبئی	164
27 نومبر 2008	منی پور	5
5 دسمبر 2008	جھاڑکھنڈ	5
1 جنوری 2009	آسام	6
1 فروری 2009	مہاراشٹرا	15
9 فروری 2009	بہار	10

MashalBooks.org

6اپریل2009	آسام	10
12اپریل2009	اڑیسہ	10
15اپریل2009	جھاڑکھنڈ	8
16اپریل2009	چھتیس گڑھ	5
21اپریل2009	جموں وکشمیر	6
23اپریل2009	بہار	5
6 مئی2009	چھتیس گڑھ	11
21 مئی2009	مہاراشٹرا	16
12جون2009	جھاڑکھنڈ	9
18جون2009	اڑیسہ	9
6 ستمبر2009	جھاڑکھنڈ	5
5اکتوبر2009	آسام	15
8اکتوبر2009	مہاراشٹرا	17
10نومبر2009	تری پورا	8
22نومبر2009	آسام	8
13فروری2010	مہاراشٹرا	17
17فروری2010	بہار	12
16مارچ2010	جموں وکشمیر	6
2اپریل2010	جموں وکشمیر	5
4اپریل2010	اڑیسہ	10
16 مئی2010	چھتیس گڑھ	6
17 مئی2010	چھتیس گڑھ	44
21 مئی2010	بہار	5
28 مئی2010	مغربی بنگال	148
16جولائی2010	جھاڑکھنڈ	5

MashalBooks.org

4اگست2010	جھاڑکھنڈ	5
8نومبر2010	آسام	6
8نومبر2010	آسام	8
21نومبر2010	بہار	8
17دسمبر2010	مغربی بنگال	7
7جنوری2011	مغربی بنگال	9
13جولائی2011	ممبئی	20

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر4

پاکستان میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے

نیتھن کوہن

ایڈیٹر کا نوٹ:

ذیل میں دیا گیا ڈیٹا اس حقیقت کا عکاس ہے کہ بری طرز حکومت اور پاکستان کی فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے غلط فیصلوں نے پاکستان کے تصور اور تخلیق پاکستان کے وعدوں کو کیسے پامال کیا ہے۔ اندرون ملک موجود تضادات کو نظرانداز کیا گیا جسکی وجہ سے پاکستان میں فرقہ بازی اور سندھ اور پنجاب میں سیاسی ونسلی تنازعات کو ہوا ملی۔ پاکستان کی علاقائی حدود میں ہونے والے بڑے حملے بھی کہیں بڑی تعداد میں ہوئے۔ بلوچستان میں بھی عدم اطمینان کی صورت حال ابدی نوعیت اختیار کر چکی ہے۔ 1990 کی دہائی میں بھارتی سکیورٹی فورسز کے خلاف سرحد پار کارروائیوں کے لیے لانچنگ پیڈ کے طور پر استعمال کیا جانے والا علاقہ آزاد کشمیر اس وقت ملک کا پرامن طریقہ علاقہ ہے ۔منقسم کشمیر جو ایک زمانے میں پاکستان کی طرف سے شروع کی گئی جنگوں اور شدید بحرانوں کی مبینہ وجہ جواز تھا، وہاں پاکستان کے حق میں موجود سٹیٹس کو میں آنے والی عملی تبدیلیوں نے اسے سب سے زیادہ غیر یقینی صورت حال کا شکار علاقہ بنا دیا ہے..... کیونکہ وہاں تبدیلی کے وہ ایجنٹ جنہیں پاکستان سٹیٹس

کو کو اپنے حق میں رکھنے کے لیے تربیت دیتا اور مسلح کرتا تھا اب بھارت سے زیادہ خود پاکستان کے لیے باعث غم بنے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے پاکستان کے ملٹری لیڈرز کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان لوگوں کے خلاف آپریشن کی شدت اور دائرے کو وسیع کرے جو نظریہ پاکستان اور ملک کے عام شہریوں کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ ذیل میں دیا گیا ڈیٹا ان وجوہات کو ظاہر کرتا ہے کہ کیوں پاکستان اس آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کبھی پاکستان کی افواج دہشت گردوں کے خلاف کھڑی ہوئی ہے ،اسے بڑے پیمانے پر ہلاکت خیز حملوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

دہشت گرد گروہوں کے حملوں نے پاکستانی معاشرے کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے ہیں..... انہوں نے بے گناہ عام شہریوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، فرقہ وارانہ بنیادوں پر قتل وغارت کا بازار گرم کیا ہے، سیاسی قائدین کو قتل کیا ہے، مسلح افواج پر حملے کیے ہیں اور ملکی معیشت کو بھی مجروح کیا ہے۔2002 سے لے کر اب تک غیر ریاستی عناصر کی طرف سے کیے گئے 450 بڑے ہلاکت خیز حملوں میں 7000 پاکستانی ہلاک ہو چکے ہیں۔ تواتر، شدت اور دائرے کے حوالے سے ان ہلاکت خیز حملوں میں پچھلی دہائی کے دوران بتدریج اضافہ ہوا اور 2007 کے پاکستانی افواج کے اسلام آباد کی لال مسجد آپریشن کے بعد تو ان حملوں کی شدت میں واضح اضافہ دیکھنے میں آیا۔ گذشتہ پانچ سال کے دوران میں بڑے پیمانے پر ہونے والے حملوں میں ہلاکتوں کے حوالے سے عراق کے بعد پاکستان کا نمبر آتا ہے۔ ان مہلک حملوں کا مقصد سکیورٹی فورسز سے حساب بے باق کرنا، پاکستان کی علاقائی ، خارجہ اور قومی سکیورٹی پالیسی پر اثر انداز ہونا سمیت مقامی پاور سٹرگل اور انتخابی مہمیں ہیں۔ اس ضمیمے میں جنوری 2002 سے لے کر اگست 2011 کے دوران کیے گئے ان ہلاکت خیز حملوں کو شامل کیا گیا ہے جن میں پانچ یا اس سے زیادہ ہلاکتیں ہوئیں تا کہ حملوں کی نوعیت اور رجحانات پر روشنی ڈالی جا سکے۔

اس مواد سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف عسکریت پسند گروپ پاکستانی سماج کے مختلف پہلوؤں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ تشدد کے واقعات کا ارتکاز افغان سرحد کے ساتھ موجود پاکستانی علاقوں فاٹا اور خیبر پختونخوا میں زیادہ ہے جہاں 250 حملوں میں اب تک 4500 لوگ مارے

جا چکے ہیں۔ ہلاکتوں کی تعداد زیادہ آبادی والے مشرقی صوبوں میں اس سے کہیں کم رہی ہے..... سندھ میں 67واقعات میں 860ہلاکتیں، پنجاب میں 42واقعات میں 963اموات جبکہ راولپنڈی اسلام آباد کے مجموعی علاقے یعنی نیشنل کیپیٹل ایریا میں 29 ہلاکت خیز حملوں میں462ہلاکتیں ہوئیں۔ بلوچستان میں 45 حملے ہوئے اور ہلاکتوں کی تعداد579رہی جبکہ وہ علاقے جو پاکستان میں آزاد کشمیر گلگت بلتستان کے نام سے جانے جاتے ہیں وہاں 3 حملوں میں 37ہلاکتیں ہوئیں۔ ان حملوں میں سالانہ 250اموات کی شرح2007کے لال مسجد آپریشن کے بعد کئی گنا بڑھ گئی اور اب یہ شرح1300افراد فی سال ہے۔حملوں میں آنے والی اس تیزی کا مرکزی نشانہ پاکستان کی افواج رہیں۔2005میں سکیورٹی فورسز پر حملوں کی جو شرح تھی آج اس شرح میں3000فیصد اضافہ ہو چکا ہے، گذشتہ پانچ سالوں میں ہلاکت خیز حملوں میں جو اموات واقع ہوئی ہیں ان کا 31فیصد حصہ سکیورٹی فورسز کے افراد کی ہلاکتوں پر مشتمل ہے۔

کئی حملے ایسے تھے جو مزید حادثوں کا بھی سبب بنے۔ الیکشن قریب آتے ساتھ ہی سیاسی حوالوں سے ہونے والی اموات میں بھی اضافہ ہوا۔فاٹا اور خیبر پختونخواہ میں فوجی آپریشنوں کی بعد عموما یہ دیکھا گیا ہے کہ پنجاب اور وفاقی دارالحکومت میں حملے زور پکڑ لیتے ہیں۔سندھ اور پنجاب میں جاری خونریزی میں سیاسی مفاد کی حامل فرقہ واریت کو بھی بڑا دخل ہے۔ خیبر پختونخواہ اور افغان بارڈر کے نزدیک ملٹری منصوبوں میں آنے والی تبدیلیاں بھی ہلاکتوں کی تعداد میں تبدیلی کا باعث ہوسکتی ہیں۔کیونکہ اس وقت پاکستان میں کئی اہم واقعات اور زخم خوردہ طبقے وجود میں آچکے ہیں اس لیے ملک کی سیاسی قیادت یا فوجی حکام کے لیے ان حملوں کے رجحانات کو معکوس کر پانا فی الوقت ممکن نظر نہیں آرہا۔

ضابطہ کار کے حوالے سے درپیش چیلنج

پاکستان میں جاری ہلاکت خیز حملوں کی فہرست سازی اور تقسیم کے حوالے سے کئی چیلنجز موجود ہیں۔ چاہے کتنا ہی بہترین ڈیٹا بیس تیار کرلیا جائے ، جامعیت کے حوالے سے تشنگی موجود رہے گی۔جنوبی ایشیا میں ہونے والے حملوں کی زمانی ترتیب کا مکمل اور تفصیلی ریکارڈ محفوظ کرنے کے حوالے سے دو تنظیمیں زیادہ قریب ترین رہی ہیں۔ ان میں سے ایک تو نئی

MashalBooks.org

دلی میں قائم تنظیم ساؤتھ ایشیا ٹیررسٹ پورٹل ہے جو کرائسس منیجمنٹ کے حوالے سے فعال ہے جبکہ دوسری تنظیم امریکی حکومت کی ایجنسی نیشنل کاؤنٹر ٹیررازم (NTCT) کی ذیلی شاخ ورلڈ وائڈ انسیڈنٹ ٹریکنگ سسٹم ہے۔[1] یہ دونوں ماخذ اگرچہ ایک جیسی محنت اور احتیاط سے ریکارڈ مرتب کرتے ہیں مگر دونوں بالکل مماثل نہیں ہیں۔ خواہ اس کی وجہ ضابطہ کار کے حوالے سے موجود فرق ہو یا کوئی اور وجہ دونوں ہی ڈیٹا سیٹس میں اہم اور بڑے پیمانے کے متعدد حملے شامل نہیں ہیں۔ اس ضمیمے میں ان تمام حملوں کا ریکارڈ شامل ہے جو ان دونوں ڈیٹا سیٹس میں موجود تھا۔ اپنے ماخذ کی طرح اس ضمیمے میں موجود ڈیٹا بھی مکمل طور پر جامع نہیں ہے۔

اس ضمیمے میں ان حملوں کو شامل کیا گیا ہے جس میں حملہ آوروں کا تعلق غیر ریاستی عناصر سے تھا اور حملے میں ہلاکتوں کی تعداد بھی پانچ سے زیادہ تھی۔ غیر ریاستی عناصر سے مراد ایسے عناصر ہیں جن کا تعلق پاکستان کے فوجی اداروں کے علاوہ کسی اور غیر فوجی، سیاسی، مذہبی، فرقہ وارانہ یا مسلح عسکریت پسند تنظیم سے ہو۔ اس بنیاد پر ترتیب دی گئی اس فہرست میں ان ہلاکتوں کی تعداد نہیں دی گئی جو پاکستانی افواج کے ساتھ ہونے والی مسلح عسکریت پسندوں کی جھڑپوں کے دوران ہوئیں۔ اور اسی اصول کی بنیاد پر وہ ہلاکتیں بھی اس فہرست سے خارج ہیں جو بارودی سرنگوں کے پھٹنے سے ہوئیں یا جن حملوں میں ہلاکتوں کی تعداد پانچ سے کم رہی۔

اس مواد کے حوالے سے متعین کی گئی تعریفات میں مشکلات بھی ہمیں تسلیم ہیں جو غیر ریاستی عناصر اور پاکستانی فوجی انتظام کی پراکسیز یا حمایتیوں میں امتیاز کے حوالے سے رہیں۔ پاکستان کے مغربی بارڈر کی پیچیدہ صورت حال، افغانستان میں بہتر پوزیشن کے حصول کے حوالے سے کی گئی کوششوں اور افغانستان میں امریکہ اور اتحادی افواج کی جانب سے جاری آپریشن نے جنگی صورت حال کے باعث بڑے پیمانے پر ہونے والے ہلاکت خیز حملوں اور جنگی ہلاکتوں کے مابین امتیاز بھی اس مواد کی ترتیب کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کی پیچیدہ کرتی ہیں۔

وہ حملے جن میں ہلاکتوں کی تعداد پانچ سے کم تھی وہ بھی اس فہرست سے اس لیے خارج ہیں کیونکہ محدود افراد کی متشددانہ کارروائیوں کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں سے متعلق ریکارڈ

کے بارے میں معلومات عموماً کم دستیاب ہیں۔ یہ تحدیدیں ہونے والے جانی نقصانات کی اہمیت کو کم کرنے والی ہیں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پانچ سے کم ہلاکتوں والے حملوں میں پاکستان کے اندر جو ہلاکتیں ہوئیں وہ بسا اوقات بڑے پیمانے پر ہونے والے حملوں میں ہونے والی ہلاکتوں سے بھی مجموعی طور پر زیادہ رہیں۔

اس ضمیمے میں بڑے ہلاکت خیز حملوں کو صوبہ وار تقسیم کیا گیا ہے جبکہ نیشنل کیپیٹل ایریا میں ہونے والے حملوں کو اسلام آباد اور راولپنڈی کے درمیان تقسیم کیا گیا ہے۔ان حملوں کو بھی نمایاں کیا گیا ہے اور علیحدہ خانوں میں رکھا گیا ہے جو پاکستان کی سکیورٹی فورسز بشمول فوجی عملہ، فوجی انسٹالیشن، ایف آئی اے، آئی ایس آئی اور پولیس پر ہوئے۔

اس ضمیمے میں دی گئی فہرست کے حوالے سے ایک مشکل یہ بھی رہی کہ اس میں مسلح عسکریت پسندوں، ان کا شکار افراد اور معصوم شہریوں کی ہلاکتوں میں تمیز نہیں ہوسکی۔ جب اس فہرست میں شامل کرنے کے لیے ہلاکتوں کی تعداد کے حوالے سے مختلف اور متضاد رپورٹوں کا سامنا ہوا تو عمومی طور پر انحصار اس ڈیٹا پر کیا گیا ہے جو این سی ٹی سی کے حوالے سے دستیاب تھا۔ اس ضمیمے میں اس بحث کو شامل کرنے سے گریز کیا گیا ہے کہ بڑے پیمانے پر ہونے والے ان حملوں کے مرتکبین کون لوگ تھے۔

نتائج

ضمیمے کے مندرجات نائن الیون کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال (بشمول افغانستان میں ہونے والے القاعدہ اور طالبان کے خاتمے کی امریکی مہم اور پرویز مشرف کی جانب سے پہلی بار نائن الیون کے بعد سرعام عسکریت پسندی کے خلاف کوششوں کے اعلان اور جڑواں چوٹیوں کے بحران) جو پاکستان میں پیدا ہوئی سے، یعنی 2002 سے شروع ہوتے ہیں۔ ان حملوں میں موجود ٹرینڈز اور پیٹرنز کے حوالے سے اوپر مذکور وجوہات اور انتباہات کی روشنی میں تشریح ہونی چاہیے۔ تاہم ذیل میں چند اہم نتائج کی فہرست بھی دی جارہی ہے:

1۔ بڑے پیمانے پر ہونے والے ہلاکت خیز حملوں میں ہونے والی ہلاکتوں کے رجحان

میں اضافہ 2007 کے لال مسجد محاصرے کے بعد دیکھنے میں آیا۔ 2002 اور 2006 کے درمیان ہونے والے غیر متواتر بڑے ہلاکت خیز حملوں کی شرح 10 حملے فی سال اور اموات کی شرح 150 ہلاکتیں فی سال تھیں۔ جبکہ اس رجحان میں سالانہ سطح پر اضافہ جو 2008 سے اگست 2011 میں دیکھنے میں آیا وہ 90 حادثے فی سال اور 1500 اموات فی سال ہے۔

2۔ پاکستانی سرزمین پر زیادہ تر بڑے ہلاکت خیز حملے ہوئے۔ 60 فیصد سے زیادہ اموات جو اس ضمیمے میں موجود فہرست میں شامل ہیں وہ فاٹا اور خیبر پختونخواہ میں ہوئیں۔

3۔ 2007 کے بعد جو بڑے پیمانے پر ہلاکت خیز حملے ہوئے ان میں 31 فیصد سکیورٹی فورسز پر ہونے والے حملے ہیں جبکہ اس سے پہلے (2002-06) کے دوران یہ شرح 9 فیصد تھی۔

4۔ سکیورٹی سے متعلق اداروں پر بڑے ہلاکت خیز حملوں میں ہونے والی ہلاکتوں کی زیادہ تعداد کا تعلق خیبر پختونخواہ سے رہا۔ ان حملوں میں 60 فیصد سے زیادہ ہلاکتیں خیبر پختونخواہ اور فاٹا میں ہوئیں۔ سکیورٹی اداروں سے متعلق ہونے والی اموات 15 فیصد پنجاب میں ہوئیں۔ جبکہ سندھ میں سکیورٹی کے افراد پر حملے میں ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد چار فیصد رہی جہاں حملوں کا شکار زیادہ تر عام شہری رہے۔ اگرچہ سکیورٹی عملے پر ہونے والے حملوں کا صرف دس فیصد حملے نیشنل کیپیٹل ایریا یعنی راول پنڈی اسلام آباد میں ہوئے مگر یہاں سکیورٹی سے متعلق لوگوں کی ہلاکتیں نسبتا زیادہ رہیں۔ مجموعی طور پر سکیورٹی سے متعلق لوگوں کی 50 فیصد ہلاکتیں راولپنڈی اسلام آباد میں ہوئیں۔

5۔ حسب توقع پاکستان میں ہونے والے بڑے پیمانے پر ہلاکت خیز حملوں میں، خاص طور پر سکیورٹی فورسز اور افواج پاکستان کے خلاف حملوں میں اس وقت زیادہ تیزی دیکھنے میں آئی جب افواج نے آپریشنز کیے۔ جنگی علاقوں کے علاوہ باقی ملک میں ان دنوں میں جب افواج پاکستان آپریشنز نہیں کر رہی ہوتیں ان دنوں شاذ ہی سکیورٹی اداروں پر حملے ہوتے ہیں۔ 2008 میں جب افواج نے سوات میں کارروائی شروع کی یا 2009 میں فاٹا میں فوجی آپریشن کیے گئے اس وقت افواج پاکستان کے خلاف پنجاب اور پنڈی اسلام آباد میں حملوں میں تیزی آئی۔

6۔ ملٹری اہداف پر ہونے والے حملوں میں دو حملے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مئی

2011 میں پاکستان نیول سٹیشن مہران پر ہونے والا مربوط حملہ جس کے بعد امریکی سپیشل فورسز نے اسامہ بن لادن کے خلاف ایبٹ آباد میں ان پر حملہ کیا ..... اور اکتوبر 2009 میں آرمی جنرل ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ جس کے بعد پاکستانی افواج نے جنوبی وزیرستان میں آپریشن کا آغاز کیا۔ ان دونوں حملوں میں کمانڈو آپریشن سٹائل اختیار کیا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ حملہ آوروں کے پاس اندر کی کافی معلومات تھیں۔

7۔ بڑے ہلاکت خیز حملوں، خاص طور پر افواج پاکستان کے خلاف حملوں میں 2009 کے آخری حصے سے قابل ذکر کمی آئی ہے۔ اس حوالے سے آخری بڑا حملہ نیشنل کیپیٹل ایریا میں چار دسمبر 2009 کو ہوا تھا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں فاٹا اور خیبر پختونخواہ میں سکیورٹی فورسز بشمول پولیس فورس کے خلاف حملوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

8۔ سندھ میں ہلاکت خیز حملوں میں نمایاں تیزی کا آغاز دسمبر 2009 میں ہوا۔

9۔ بلوچستان میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملوں کی وجہ وہاں پر موجود تشدد کا عنصر ہے۔

10۔ نیشنل کیپیٹل ایریا میں 2009 کے بعد بڑے ہلاکت خیز حملوں کی شرح میں 90 فیصد کمی آئی ہے۔ 11-2010 میں ملک بھر میں ہونے والی ہلاکتوں کے مقابلے میں وفاقی دارالحکومت میں ایک فیصد ہلاکتیں ہوئیں، جبکہ 2009 میں یہ شرح نو فیصد تھی۔

11۔ پنجاب میں ہونے والے ہلاکت خیز حملوں میں ہلاکتوں کی تعدا د ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔ پنجاب میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملوں میں 42 فیصد سے زیادہ حملوں میں ہلاکتوں کی تعداد 20 یا اس سے زیادہ رہی جبکہ قومی سطح پر یہ شرح 23 فیصد رہی۔

(گراف نمبر ا)

پاکستان میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے سال بہ سال

سال	حملوں کی تعداد	ہلاکتیں	سکیورٹی اداروں کی فیصد اموات

MashalBooks.org

2002	9	78	0.0%
2003	4	80	0.0%
2004	11	211	7.6%
2005	11	141	0.0%
2006	15	243	22.2%
2007	50	1003	33.9%
2008	78	1321	29.5%
2009	93	1639	35.1%
2010	91	1699	23.7%
781-8/2011		1021	38.6%
کل	440	7436	29.3%

حملوں میں ہونے والی صوبہ وار ہلاکتیں

صوبہ	اموات	حملے	قومی شرح کا فیصد	سکیورٹی اداروں کا فیصد حصہ	خیبر
پختونخواہ	3143	182	42.3%	37.3%	
فاٹا	1392	82	18.7%	17.2%	
پنجاب	963	42	13.0%	35.8%	
سندھ	860	57	11.6%	9.1%	
بلوچستان	579	45	7.8%	18.5%	
وفاقی دارالحکومت	462	29	6.2%	51.1%	
آزاد کشمیر، گلگت	37	3	0.5%%	0.0%	

MashalBooks.org

(گراف نمبر2)

(گراف نمبر3)

(گراف نمبر4)

(گراف نمبر5)

(گراف نمبر6)

(گراف نمبر7)

(گراف نمبر8)

وہ حملے جن میں 20 سے زیادہ ہلاکتیں ہوئی

صوبہ	ہلاکتیں
خیبر پختونخواہ	45
فاٹا	17

MashalBooks.org

پنجاب	18
سندھ	11
بلوچستان	6
وفاقی دارالحکومت	8
آزاد کشمیر، گلگت	0

(گراف نمبر 9)

پاکستان میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے

تاریخ	حملوں کی نوعیت	مقام	اموات
26 فروری 2002	غیر فوجی	راولپنڈی	11
17 مارچ 2002	غیر فوجی	سندھ	5
8 مئی 2002	غیر فوجی	سندھ	11
14 جون 2002	غیر فوجی	سندھ	12
13 جولائی 2002	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	9
5 اگست 2002	غیر فوجی	پنجاب	6
25 ستمبر 2002	غیر فوجی	سندھ	7
16 اکتوبر 2002	غیر فوجی	سندھ	8
15 نومبر 2002	غیر فوجی	سندھ	9
8 جون 2003	غیر فوجی	بلوچستان	11
3 جولائی 2003	غیر فوجی	بلوچستان	47
3 اکتوبر 2003	غیر فوجی	سندھ	6
5 دسمبر 2003	غیر فوجی	راولپنڈی	16
2 مارچ 2004	غیر فوجی	بلوچستان	44
4 اپریل 2004	فوجی	سندھ	5

MashalBooks.org

7 مئی 2004	غیر فوجی	سندھ	24
14 مئی 2004	غیر فوجی	پنجاب	6
31 مئی 2004	غیر فوجی	سندھ	21
10 جون 2004	فوجی	سندھ	11
30 جولائی 2004	غیر فوجی	پنجاب	7
8 اگست 2004	غیر فوجی	سندھ	9
1 اکتوبر 2004	غیر فوجی	پنجاب	31
7 اکتوبر 2004	غیر فوجی	پنجاب	42
10 دسمبر 2004	غیر فوجی	بلوچستان	11
8 جنوری 2005	غیر فوجی	گلگت بلتستان	10
19 مارچ 2005	غیر فوجی	بلوچستان	50
20 اپریل 2005	غیر فوجی	سندھ	5
25 مئی 2005	غیر فوجی	فاٹا	6
27 مئی 2005	غیر فوجی	اسلام آباد	20
31 مئی 2005	غیر فوجی	سندھ	6
22 ستمبر 2005	غیر فوجی	پنجاب	6
7 اکتوبر 2005	غیر فوجی	پنجاب	8
13 اکتوبر 2005	غیر فوجی	گلگت بلتستان	12
15 نومبر 2005	غیر فوجی	سندھ	6
8 دسمبر 2005	غیر فوجی	فاٹا	12
25 جنوری 2006	غیر فوجی	بلوچستان	6
5 فروری 2006	غیر فوجی	بلوچستان	13
9 فروری 2006	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	40
10 مارچ 2006	غیر فوجی	بلوچستان	26
2 اپریل 2006	فوجی	بلوچستان	6

MashalBooks.org

3اپریل2006	غیرفوجی	فاٹا	5
11اپریل2006	غیرفوجی	سندھ	50
11 مئی2006	فوجی	بلوچستان	6
12جون2006	غیرفوجی	بلوچستان	5
20جون2006	غیرفوجی	فاٹا	6
8 ستمبر2006	غیرفوجی	بلوچستان	6
6اکتوبر2006	غیرفوجی	فاٹا	17
20اکتوبر2006	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
8نومبر2006	فوجی	خیبر پختونخواہ	42
10نومبر2006	غیرفوجی	فاٹا	9
27جنوری2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	15
9فروری2007	غیرفوجی	پنجاب	6
17فروری2007	غیرفوجی	بلوچستان	15
11مارچ2007	غیرفوجی	فاٹا	6
10اپریل2007	غیرفوجی	فاٹا	35
28اپریل2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	31
15 مئی2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
15 مئی2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	30
31 مئی2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	13
2جون2007	غیرفوجی	فاٹا	5
15جون2007	فوجی	بلوچستان	9
23جون2007	غیرفوجی	فاٹا	11
4جولائی2007	فوجی	فاٹا	7
14جولائی2007	فوجی	فاٹا	23
15جولائی2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	21

MashalBooks.org

15جولائی2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	28
17جولائی2007	غیرفوجی	اسلام آباد	19
19جولائی2007	غیرفوجی	بلوچستان	30
19جولائی2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	18
19جولائی2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	7
24جولائی2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	9
27جولائی2007	فوجی	اسلام آباد	15
4اگست2007	غیرفوجی	فاٹا	9
4 ستمبر2007	فوجی	راولپنڈی	25
11 ستمبر2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	15
11 ستمبر2007	غیرفوجی	سندھ	17
13 ستمبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	20
26 ستمبر2007	فوجی	بلوچستان	6
1اکتوبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	16
3اکتوبر2007	غیرفوجی	فاٹا	14
11اکتوبر2007	غیرفوجی	فاٹا	12
18اکتوبر2007	غیرفوجی	سندھ	154
20اکتوبر2007	غیرفوجی	بلوچستان	8
25اکتوبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	20
26اکتوبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
27اکتوبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
30اکتوبر2007	فوجی	راولپنڈی	7
1نومبر2007	فوجی	پنجاب	10
17نومبر2007	غیرفوجی	فاٹا	94
24نومبر2007	فوجی	راولپنڈی	28

MashalBooks.org

3دسمبر2007	غیرفوجی	بلوچستان	6
9دسمبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	10
10دسمبر2007	فوجی	پنجاب	7
13دسمبر2007	فوجی	بلوچستان	11
15دسمبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
17دسمبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	12
21دسمبر2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	72
23دسمبر2007	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
27دسمبر2007	غیرفوجی	راولپنڈی	21
28دسمبر2007	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	10
7جنوری2008	غیرفوجی	فاٹا	5
10جنوری2008	غیرفوجی	پنجاب	25
14جنوری2008	غیرفوجی	سندھ	10
17جنوری2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	12
4فروری2008	فوجی	راولپنڈی	10
9فروری2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	27
11فروری2008	غیرفوجی	فاٹا	10
16فروری2008	غیرفوجی	فاٹا	47
18فروری2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	24
22فروری2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	14
25فروری2008	فوجی	راولپنڈی	8
29فروری2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	40
2مارچ2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	43
3مارچ2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	12
4مارچ2008	فوجی	پنجاب	8

MashalBooks.org

11مارچ2008	فوجی	پنجاب	30
15مارچ2008	غیرفوجی	اسلام آباد	12
17اپریل2008	غیرفوجی	فاٹا	20
26اپریل2008	غیرفوجی	فاٹا	6
18 مئی2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
26 مئی2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	7
30 مئی2008	غیرفوجی	بلوچستان	6
2جون2008	غیرفوجی	اسلام آباد	8
19جون2008	غیرفوجی	فاٹا	15
22جون2008	غیرفوجی	فاٹا	8
23جون2008	غیرفوجی	فاٹا	8
23جون2008	غیرفوجی	فاٹا	40
29جون2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	8
6جولائی2008	فوجی	اسلام آباد	19
6جولائی2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	19
2اگست2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
5اگست2008	غیرفوجی	بلوچستان	5
9اگست2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	8
12اگست2008	فوجی	بلوچستان	18
12اگست2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	14
13اگست2008	فوجی	بلوچستان	10
13اگست2008	غیرفوجی	پنجاب	6
19اگست2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	35
21اگست2008	فوجی	پنجاب	70
23اگست2008	غیرفوجی	فاٹا	5

MashalBooks.org

23اگست2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	20
25اگست2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	11
25اگست2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	10
26اگست2008	غیرفوجی	اسلام آباد	8
28اگست2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	10
29اگست2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
5 ستمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	15
6 ستمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	36
10 ستمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	25
19 ستمبر2008	غیرفوجی	بلوچستان	5
19 ستمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	5
20 ستمبر2008	غیرفوجی	اسلام آباد	62
22 ستمبر2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
6اکتوبر2008	غیرفوجی	پنجاب	25
9اکتوبر2008	فوجی	اسلام آباد	8
9اکتوبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	12
10اکتوبر2008	غیرفوجی	فاٹا	110
23اکتوبر2008	غیرفوجی	فاٹا	8
26اکتوبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	11
26اکتوبر2008	فوجی	فاٹا	11
31اکتوبر2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
2نومبر2008	فوجی	فاٹا	8
4نومبر2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	7
6نومبر2008	غیرفوجی	فاٹا	22
11نومبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	13

MashalBooks.org

12نومبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	5
20نومبر2008	غیرفوجی	فاٹا	9
20نومبر2008	غیرفوجی	فاٹا	9
21نومبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	10
22نومبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
28نومبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
28نومبر2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
1دسمبر2008	فوجی	خیبر پختونخواہ	11
5دسمبر2008	غیرفوجی	فاٹا	7
5دسمبر2008	غیرفوجی	فاٹا	10
5دسمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	27
6دسمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
28دسمبر2008	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	43
4 جنوری2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	10
10جنوری2009	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	26
26جنوری2009	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
5فروری2009	غیرفوجی	پنجاب	32
7فروری2009	فوجی	پنجاب	8
17فروری2009	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	5
20فروری2009	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	30
2مارچ2009	غیرفوجی	بلوچستان	6
3مارچ2009	غیرفوجی	پنجاب	6
4مارچ2009	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	10
7مارچ2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
11مارچ2009	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6

MashalBooks.org

16مارچ2009	غیرفوجی	راولپنڈی	14
16مارچ2009	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	14
18مارچ2009	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	5
19مارچ2009	فوجی	فاٹا	15
26مارچ2009	غیرفوجی	فاٹا	12
27مارچ2009	غیرفوجی	فاٹا	82
30مارچ2009	فوجی	خیبرپختونخواہ	7
30مارچ2009	فوجی	پنجاب	12
1اپریل2009	فوجی	خیبرپختونخواہ	5
4اپریل2009	فوجی	اسلام آباد	9
5اپریل2009	غیرفوجی	بلوچستان	18
5اپریل2009	فوجی	پنجاب	6
5اپریل2009	غیرفوجی	فاٹا	24
10اپریل2009	غیرفوجی	بلوچستان	6
15اپریل2009	فوجی	خیبرپختونخواہ	19
18اپریل2009	فوجی	خیبرپختونخواہ	22
25اپریل2009	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	27
26اپریل2009	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	12
1 مئی2009	غیرفوجی	فاٹا	6
5 مئی2009	فوجی	خیبرپختونخواہ	7
9 مئی2009	غیرفوجی	فاٹا	5
11 مئی2009	فوجی	خیبرپختونخواہ	10
16 مئی2009	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	13
21 مئی2009	فوجی	فاٹا	8
22 مئی2009	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	10

MashalBooks.org

27 مئی 2009	غیر فوجی	پنجاب	29
28 مئی 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	8
28 مئی 2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
1 جون 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	6
5 جون 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	49
9 جون 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	23
12 جون 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	7
12 جون 2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
14 جون 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	9
20 جون 2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
11 جولائی 2009	فوجی	پنجاب	6
13 جولائی 2009	غیر فوجی	پنجاب	12
30 جولائی 2009	فوجی	بلوچستان	18
9 اگست 2009	غیر فوجی	فاٹا	6
13 اگست 2009	فوجی	پنجاب	10
15 اگست 2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
17 اگست 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	7
20 اگست 2009	فوجی	راولپنڈی	7
23 اگست 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	15
27 اگست 2009	فوجی	فاٹا	22
30 اگست 2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	16
18 ستمبر 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	40
19 ستمبر 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	5
24 ستمبر 2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	9
26 ستمبر 2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	11

MashalBooks.org

26 ستمبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
5اکتوبر2009	غیر فوجی	اسلام آباد	5
9اکتوبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	54
9اکتوبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	55
10اکتوبر2009	فوجی	راولپنڈی	22
12اکتوبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	45
15اکتوبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	11
15اکتوبر2009	فوجی	پنجاب	21
16اکتوبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	15
20اکتوبر2009	غیر فوجی	اسلام آباد	6
23اکتوبر2009	فوجی	پنجاب	8
28اکتوبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	118
31اکتوبر2009	فوجی	فاٹا	7
2نومبر2009	فوجی	راولپنڈی	38
8نومبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	15
10نومبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	34
13نومبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	15
14نومبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	12
19نومبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	20
23نومبر2009	فوجی	فاٹا	6
4دسمبر2009	فوجی	راولپنڈی	40
7دسمبر2009	غیر فوجی	پنجاب	70
7دسمبر2009	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	11
8دسمبر2009	فوجی	پنجاب	12
15دسمبر2009	غیر فوجی	پنجاب	33

MashalBooks.org

18دسمبر2009	فوجی	خیبر پختونخواہ	12
26دسمبر2009	فوجی	سندھ	5
27دسمبر2009	غیرفوجی	آزاد کشمیر	15
27دسمبر2009	غیرفوجی	فاٹا	8
27دسمبر2009	غیرفوجی	سندھ	5
28دسمبر2009	غیرفوجی	سندھ	43
1جنوری2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	105
8جنوری2010	غیرفوجی	سندھ	7
11جنوری2010	غیرفوجی	سندھ	5
23جنوری2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
24جنوری2010	غیرفوجی	فاٹا	7
30جنوری2010	فوجی	فاٹا	17
1فروری2010	غیرفوجی	سندھ	26
3فروری2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	10
5فروری2010	غیرفوجی	سندھ	33
10فروری2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	18
10فروری2010	فوجی	فاٹا	22
11فروری2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	16
11فروری2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	12
18فروری2010	غیرفوجی	فاٹا	15
22فروری2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
5مارچ2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	12
8مارچ2010	فوجی	پنجاب	15
10مارچ2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
11مارچ2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	5

MashalBooks.org

12مارچ2010	فوجی	پنجاب	57
13مارچ2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	17
17مارچ2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
25مارچ2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
26مارچ2010	فوجی	فاٹا	5
31مارچ2010	فوجی	فاٹا	6
5اپریل2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	57
5اپریل2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	7
7اپریل2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	6
16اپریل2010	غیرفوجی	بلوچستان	12
16اپریل2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	10
17اپریل2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	44
18اپریل2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	7
19اپریل2010	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	25
23اپریل2010	فوجی	فاٹا	7
28اپریل2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	6
1 مئی2010	فوجی	بلوچستان	6
10 مئی2010	فوجی	فاٹا	9
18 مئی2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	13
20 مئی2010	غیرفوجی	سندھ	23
28 مئی2010	غیرفوجی	پنجاب	95
31 مئی2010	غیرفوجی	پنجاب	12
8جون2010	غیرفوجی	اسلام آباد	7
12جون2010	غیرفوجی	سندھ	5
14جون2010	فوجی	فاٹا	7

MashalBooks.org

27جون2010	غیرفوجی	راولپنڈی	5
28جون2010	غیرفوجی	سندھ	17
28جون2010	غیرفوجی	سندھ	5
1جولائی2010	غیرفوجی	پنجاب	45
3جولائی2010	غیرفوجی	سندھ	5
9جولائی2010	غیرفوجی	فاٹا	106
15جولائی2010	فوجی	خیبرپختونخواہ	6
15جولائی2010	فوجی	خیبرپختونخواہ	6
16جولائی2010	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	10
17جولائی2010	غیرفوجی	فاٹا	18
17جولائی2010	فوجی	خیبرپختونخواہ	16
23جولائی2010	غیرفوجی	سندھ	23
26جولائی2010	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	8
2اگست2010	غیرفوجی	سندھ	13
3اگست2010	غیرفوجی	سندھ	35
4اگست2010	فوجی	خیبرپختونخواہ	5
14اگست2010	غیرفوجی	بلوچستان	6
14اگست2010	غیرفوجی	بلوچستان	10
19اگست2010	غیرفوجی	خیبرپختونخواہ	16
21اگست2010	غیرفوجی	فاٹا	6
23اگست2010	غیرفوجی	فاٹا	30
23اگست2010	غیرفوجی	فاٹا	7
1ستمبر2010	غیرفوجی	پنجاب	14
3ستمبر2010	غیرفوجی	بلوچستان	67
6ستمبر2010	فوجی	خیبرپختونخواہ	19

MashalBooks.org

7 ستمبر 2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	20
10 ستمبر 2010	غیر فوجی	فاٹا	12
10 ستمبر 2010	غیر فوجی	بلوچستان	5
12 ستمبر 2010	غیر فوجی	فاٹا	6
3 اکتوبر 2010	غیر فوجی	اسلام آباد	6
7 اکتوبر 2010	غیر فوجی	سندھ	10
15 اکتوبر 2010	فوجی	فاٹا	5
17 اکتوبر 2010	غیر فوجی	سندھ	22
20 اکتوبر 2010	غیر فوجی	سندھ	16
22 اکتوبر 2010	فوجی	فاٹا	6
22 اکتوبر 2010	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	5
25 اکتوبر 2010	غیر فوجی	پنجاب	7
5 نومبر 2010	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	72
6 نومبر 2010	غیر فوجی	فاٹا	5
11 نومبر 2010	فوجی	سندھ	22
21 نومبر 2010	غیر فوجی	بلوچستان	5
30 نومبر 2010	فوجی	خیبر پختونخواہ	6
6 دسمبر 2010	غیر فوجی	فاٹا	51
8 دسمبر 2010	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	19
10 دسمبر 2010	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	20
12 دسمبر 2010	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	5
25 دسمبر 2010	غیر فوجی	فاٹا	47
12 جنوری 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	20
14 جنوری 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	6
17 جنوری 2011	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	18

MashalBooks.org

20جنوری 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	7
25جنوری 2011	غیر فوجی	پنجاب	11
2فروری 2011	غیر فوجی	بلوچستان	10
2فروری 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	5
10فروری 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	21
11فروری 2011	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	5
22فروری 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	6
24فروری 2011	فوجی	فاٹا	5
25فروری 2011	غیر فوجی	پنجاب	13
3مارچ 2011	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
4مارچ 2011	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	10
5مارچ 2011	فوجی	سندھ	5
7مارچ 2011	غیر فوجی	سندھ	9
8مارچ 2011	فوجی	پنجاب	32
9مارچ 2011	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	43
9مارچ 2011	غیر فوجی	سندھ	5
9مارچ 2011	غیر فوجی	بلوچستان	6
13مارچ 2011	غیر فوجی	فاٹا	10
13مارچ 2011	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	11
13مارچ 2011	غیر فوجی	سندھ	9
14مارچ 2011	غیر فوجی	سندھ	8
15مارچ 2011	غیر فوجی	سندھ	6
18مارچ 2011	غیر فوجی	فاٹا	41
21مارچ 2011	غیر فوجی	سندھ	15
21مارچ 2011	فوجی	بلوچستان	11

MashalBooks.org

21مارچ 201	غیرفوجی	بلوچستان	11
21مارچ 201	فوجی	فاٹا	6
22مارچ 201	فوجی	فاٹا	6
24مارچ 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	8
24مارچ 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	8
25مارچ 201	غیرفوجی	فاٹا	13
25مارچ 201	غیرفوجی	فاٹا	8
25مارچ 201	غیرفوجی	فاٹا	13
25مارچ 201	غیرفوجی	سندھ	5
26مارچ 201	غیرفوجی	بلوچستان	6
28مارچ 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	14
30مارچ 201	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	13
31مارچ 201	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	14
31مارچ 201	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	13
31مارچ 201	غیرفوجی	بلوچستان	5
3اپریل 201	غیرفوجی	پنجاب	50
5اپریل 201	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	7
13اپریل 201	غیرفوجی	سندھ	7
14اپریل 201	غیرفوجی	سندھ	6
21اپریل 201	غیرفوجی	سندھ	18
22اپریل 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	16
25اپریل 201	غیرفوجی	بلوچستان	15
28اپریل 201	فوجی	سندھ	5
28اپریل 201	فوجی	سندھ	5
6 مئی 201	غیرفوجی	خیبر پختونخواہ	8

MashalBooks.org

13 مئی 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	90
14 مئی 201	غیر فوجی	پنجاب	6
14 مئی 201	فوجی	فاٹا	5
18 مئی 201	غیر فوجی	بلوچستان	7
20 مئی 201	غیر فوجی	فاٹا	16
22 مئی 201	فوجی	سندھ	14
25 مئی 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	9
26 مئی 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	32
28 مئی 201	غیر فوجی	فاٹا	8
2 جون 201	فوجی	فاٹا	27
3 جون 201	فوجی	سندھ	6
5 جون 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	19
11 جون 201	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	18
11 جون 201	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	39
12 جون 201	غیر فوجی	اسلام آباد	6
20 جون 201	غیر فوجی	فاٹا	6
25 جون 201	فوجی	خیبر پختونخواہ	10
5 جولائی 201	فوجی	بلوچستان	5
6 جولائی 201	غیر فوجی	سندھ	11
7 جولائی 201	غیر فوجی	سندھ	10
9 جولائی 201	غیر فوجی	خیبر پختونخواہ	5
11 جولائی 201	غیر فوجی	سندھ	7
16 جولائی 201	غیر فوجی	فاٹا	10
22 جولائی 201	غیر فوجی	سندھ	13
23 جولائی 201	غیر فوجی	بلوچستان	5

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 5

جنوبی ایشیائی بحران میں چین کا کردار

ولیم شمر

1990 کا بحران

15 فروری 1990

پاکستان کے وزیر اعظم کے خصوصی ایلچی اقبال اخوند کے ساتھ ملاقات کے دوران چینی وزیراعظم لی پنگ نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کو اپنے تنازعات کا حل دوستانہ مذاکرات کے ذریعے کرنا چاہیے۔[1]

20 فروری 1990

چینی وزیر دفاع Qin Jiwe نے اسلام آباد کا دورہ کیا۔ اس دوران وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے ملاقات کے علاوہ پاکستانی جوائنٹ چیفس آف سٹاف اور پاکستانی بحریہ کے چیف سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔[2]

3 اپریل 1990

چینی NPC کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین وان لی نے پاکستان کے صدر غلام اسحٰق خان سے ملاقات کی۔[3]

25 مارچ 1990

MashalBooks.org

چینی وزیر خارجہQian Qichenاور بھارتی خارجہ امور کے وزیر آئی کے گجرال کی ملاقات ہوئی جس میں چین بھارت سرحدی تنازعات پر بات ہوئی۔ بعد ازاں چینی وزیر خارجہ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان اور بھارت کو مسئلہ کشمیر کے پر امن حل کے لیے کوشش کرنی چاہیے، تاہم چین اس قسم کے کسی بھی مذاکرے میں ثالث کا کردار نہیں نبھائے گا۔(4)

2 مئی 1990

وان لی اپنے پانچ روزہ دورے کے سلسلے میں لاہور پہنچے۔(5)

4 مئی 1990

چینی NPC کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین وان لی کو دی گئی ایک ضیافت کے دوران پاکستان کی قومی اسمبلی کے چیئرمین ملک معراج خالد کی پاک چائنا گہرے تعلقات کے حوالے سے بات چیت ہوئی۔ اس موقع پر لی نے تنازع کشمیر کے لیے پرامن مذاکرات کی ضرورت پر زور دیا۔(6)

7 مئی 1990

بیگم نصرت بھٹو اور پی پی پی کے ایک وفد کی CCP کے سیاسی بیورو کی قائمہ کمیٹی کے رکن Qiao Shi اور CCP کی سنٹرل کمیٹی کے جنرل سیکرٹری ژیانگ ژمن سے سات مئی کو ایک ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے تجویز دی کہ کشمیر پر مذاکرات کے حوالے سے چین سہولت کار کا کردار نبھانے کو تیار ہے۔(7)

13 مئی 1990

پاکستانی نیول کمانڈر اپنے دس روزہ دورے پر چین پہنچے۔(8)

9 جون 1990

ٹینک ٹیکنالوجی کے حوالے سے معلومات کے تبادلے کے سلسلے میں چین اور پاکستان کے مابین طویل المیعاد معاہدے پر اتفاق ہوا۔(9)

25 ستمبر 1990

MashalBooks.org

پاکستانی صدر اسحٰق خان نے چینی قائدین کو مخاطب کرتے ہوئے پاک بھارت جنگ کو ''خارج از امکان'' قرار دیتے ہوئے کہا کہ بیجنگ اور اسلام آباد دونوں تنازعات کا پر امن حل چاہتے ہیں۔[10]

1999 کا کارگل بحران

24 مئی1999

پاکستانی جنرل پرویز مشرف نے چین کا دورہ کیا جس میں چینی لیڈروں نے بحران کے پرامن حل کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔اس دورے کے دوران انڈین انٹیلی جنس کے اداروں نے جنرل مشرف اور لیفٹیننٹ جنرل محمد عزیز کے مابین ہونے والی ایک فون کال ٹریک کی اور پریس کے سامنے اسے پیش کیا جس نے بحرانی صورت حال میں پاکستان کی پوزیشن کو بہت کمزور کیا۔[11]

11 جون1999

نیو دلی کے اپنے دورے سے ایک روز قبل پاکستان وزیر خارجہ سرتاج عزیز نے بیجنگ کا دورہ کیاجہاں کارگل بحران کے حوالے سے انہوں نے نیشنل پیپلز کانگریس کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین لی پنگ سے تبادلہ خیال کیا۔چین نے عزیز کو بتایا کہ بھارت کے ساتھ پرامن مذاکرات کیے جائیں۔[12]

11 جون1999

چین کے فوجی اہلکار جنرل مشرف سے ملنے آئے ، ملاقات میں کارگل کی فوجی صورت حال پر تبادلہ خیال ہوا۔[13]

14 تا16 جون1999

بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے چین کا دورہ کیا اور1998 کے ایٹمی دھماکوں کے بعد بھارت چین تلخ تعلقات کو معمول پر لانے کی کوشش کی۔ اس موقع پر انہوں نے چینی وزیر خارجہTang Jiaxuan سے بمشکل کوئی بات کی کیونکہ چین واضح طور پر اس معاملے میں غیر

جانبدار رہنا چاہتا تھا۔[14]

28 جون تا 3 جولائی 1999

پاکستانی وزیراعظم نوازشریف نے بیجنگ کا دورہ کیا مگر وہ چینی لیڈروں (وزیراعظم ژو رونگجی اور چیئرمین لی پنگ) کو اپنے غیر جانبدارانہ موقف سے نہ ہٹا سکے۔[15]

4 جولائی 1999

چینی ذرائع نے تصدیق کی کہ چین لائن آف کنٹرول کے حوالے سے بھارتی موقف کی تصدیق کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ پاکستان اپنے فوجی واپس بلا لے۔[16]

2001-2002 جڑواں چوٹیوں کا بحران

20-24 دسمبر 2001

پاکستانی صدر پرویز مشرف نے بیجنگ اور زیان کا دورہ کیا۔ پاکستان اور چین کے مابین ''مستقبل میں اسلحہ سازی سے متعلق تعاون'' کا معاہدہ ہوا۔[17]

3 جنوری 2002

صدر مشرف چینی وزیراعظم ژورانگچی سے ملے اور بھارت کے ساتھ جاری بحران پر بات چیت کی۔ چینی وزیراعظم نے مشرف پر مسائل کے پرامن حل کے حوالے سے زور دیا تاکہ علاقائی استحکام خطرے میں نہ پڑے۔[18]

11 جنوری 2002

پاکستان نے دس جدید طیارے چین سے موصول کیے۔ بیجنگ نے اس ڈیل پر پردہ ڈالنے کے لیے موقف اختیار کیا کہ اس ڈیل پر حالیہ بحران سے قبل ہی بات چیت مکمل ہو چکی تھی۔[19]

12 جنوری 2002

جنرل مشرف نے انتہاپسندوں کے خلاف کارروائی کرنے کا اعلان کیا۔ چین نے تنازع میں

MashalBooks.org

'سہولت کاری' کا کریڈٹ لیا۔[20]

13 جنوری 2002

وزیراعظم ژورونگجی چھ روزہ دورے پر دلی پہنچے۔[21]

وسط جنوری 2002

چینی سنٹرل ملٹری کمیشن کے نائب چیئرمین جنرل Zhang Wannian کی پاکستانی جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل محمد عزیز سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے پس پردہ بھارت کو ایٹمی خطرے کا عندیہ دیا۔[22]

16 جنوری 2002

افغانستان اور جنوبی ایشیائی بحران کے حوالے سے چینی صدر ژیانگ ژمن کی پاکستان چیف آف جوائنٹس کمیٹی جنرل خان سے بات چیت ہوئی۔[23]

7 مارچ 2002

PLA کے ڈپٹی چیف اور ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ جنرل Xiong Guangkai نے اسلام آباد کا دورہ کیا۔[24]

14 مئی 2002 کے بعد

(جموں میں بمباری) چینی وزیر دفاع Chi Haotian نے دونوں ملکوں پر زور دیا کہ ایٹمی جنگ کے خطرے کو روکیں۔[25]

15 مئی 2002

چینی وزیر خارجہ Tang Jiaxuan کی صدر مشرف سے ملاقات۔ چین نے بھارت پر دباؤ ڈالا کہ وہ فوجی تناؤ میں مزید کمی لائے۔[26]

31 مئی 2002

چینی وزارت خارجہ کے ترجمان نے اس امر کی تردید کی کہ امریکی سفارت کار کے دورے

MashalBooks.org

کے دوران صدر ژمن نے موجودہ دشمنیوں کے حوالے سے پاکستان کی حمایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔[27]

4 جون 2002

CICA کانفرنس کے موقع پر صدر مشرف اور صدر ژمن کے مابین دلی اور اسلام آباد کے مابین مزید مذاکرات کے حوالے سے بات چیت ہوئی۔[28]

4 جون 2002

CICA کانفرنس کے موقع پر چینی صدر اور بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کے مابین بھی علاقے میں موجود کشیدہ صورت حال پر بات چیت ہوئی۔[29]

11 جون 2002

وزارت خارجہ کے ترجمان Liu Jianchao نے تناؤ کم کرنے کے حوالے سے دلی اور اسلام آباد دونوں کی تعریف کی تاہم اس موقع پر انہوں نے براہ راست باہمی مذاکرات پر بھی زور دیا۔[30]

29 جون 2002

پاکستان کے وزیر مملکت برائے خارجہ امور انعام الحق سے ملاقات کے دوران چینی وزیر خارجہ Jiaxuan نے مسئلہ کشمیر کے حل کے حوالے سے پرامن مذاکرات کی ضرورت پر زور دیا۔[31]

31 جولائی 2002

آسیان کے علاقائی فورم پر چینی وزیر خارجہ Jiaxuan نے نئے بھارتی وزیر خارجہ یشونت سنہا سے جنوبی ایشیا میں ابھرتے حالیہ تناؤ پر بات چیت کی۔[32]

2 اگست 2002

صدر مشرف کی چینی صدر ژیانگ ژمن سے ملاقات.....دونوں لیڈروں کے مابین افغانستان اور جنوبی ایشیائی تازہ ترین بحران پر بات ہوئی۔[33]

MashalBooks.org

23 ستمبر 2002

چین کی لبریشن آرمی کے ٹاپ کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل Zou Gengren اور بھارتی فیڈرل ڈیفنس سیکرٹری سیر دتہ کے مابین چین بھارت ملٹری مسائل پر بات چیت ہوئی۔[34]

18 اکتوبر 2002

لائن آف کنٹرول کی دونوں جانب فوجوں میں کمی کے پاکستان اور بھارت کے فیصلے کی وزارت خارجہ کے ترجمان Zhang Qiyue نے تعریف کی۔[35]

اکتوبر 2002

چین کی جانب سے پاکستان کی طرف سے ابھی تک جاری فوجی امداد پر اپ سیٹ بھارت نے آرمی چیف پرمانا بھن ور وزیراعظم واجپائی کے دو طے شدہ دورے ملتوی کر دیئے۔[36]

2008 کے ممبئی حملے

30 نومبر 2008

چینی وزیر خارجہ Yang Jiechi نے پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی سے بات کی، دونوں نے ممبئی حملوں کی پرزور الفاظ میں مذمت کی اور باہمی تعلقات کی مضبوطی کا عہد دہرایا۔[37]

2 دسمبر 2008

چین نے پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ممبئی اور پاکستان میں موجود دہشت گرد گروپوں کے درمیان تعلق کے حوالے سے تفتیش کرے۔علاوہ ازیں چینی وزارت خارجہ کے ترجمان Liu Jianchao نے کہا کہ چین ممبئی حملوں میں ملوث گروہوں کی سرکوبی کے لیے بھارت کا ساتھ دے گا۔[38]

3 دسمبر 2008

ایک پاکستانی اہلکار کے چین کے 'خفیہ دورے' کے فوراً بعد بھارتی اہلکار بھی بیجنگ کے دورے کے لیے روانہ۔[39]

MashalBooks.org

4دسمبر2008

چینی وزارت خارجہ کے ترجمان نے پاکستان اور بھارت دونوں سے کہا کہ وہ ''مذاکرات کے عمل کو مضبوط کریں اور باہمی تعاون کو بڑھائیں''۔(40)

14-4دسمبر2008

دہشتگردی کے خلاف لڑنے کے حوالے سے چین اور بھارت نے مشترکہ مشقوں میں حصہ لیا، جو بھارتی لیفٹیننٹ جنرل نوبل کھمراج اور چینی لیفٹیننٹ جنرلMa Xiaotian کی زیرنگرانی ہوئیں۔(41)

6دسمبر2008

پاکستان میں موجود چین کے سفیر نے کہا کہ ممبئی حملوں کے نتیجے میں پاک بھارت جنگ کا کوئی امکان نہیں ہے۔(42)

15دسمبر2008

چائنا بھارت دوسرے سالانہ مذاکرات کا انعقاد ہوا جسکے ٹاپ ممبرز میں ڈیفنس سیکرٹری شری وجے سنگھ (بھارت) اور لیفٹیننٹ جنرلXiaotian (چین) میں شامل تھے۔(43)

26دسمبر2008

چینی وزیر خارجہ Tang Jiaxuan نے اپنے پاکستانی اور بھارتی ہم منصب سے فون پر رابطہ کیا اور علاقائی استحکام اور سکیورٹی کے حوالے سے چین کے کردار پر بات کی۔(44)

28دسمبر2008

خصوصی چینی نمائندہ He Yafi اسلام آباد آیا اور صدر زرداری، وزیراعظم گیلانی اور وزیرخارجہ قریشی سے ملاقاتیں کیں۔(45)

5جنوری2009

چینی نائب وزیر خارجہ اور خصوصی ایلچی He Yafi نے بھارتی لیڈروں سے ملاقاتیں کیں تاکہ علاقے میں موجود کشیدگی کو کم کیا جاسکے۔ بھارتی سیکرٹری خارجہ شوشنکر مینن نے He Yafi کو شہادتیں مہیا کیں جو ممبئی پر حملہ کرنے والوں کا تعلق پاکستان سے ثابت کرتی تھیں۔(46)

MashalBooks.org

15 جنوری 2009

پیپلز گریٹ ہال میں اپنی تقریر کے دوران چینی صدر ہوجنتاؤ نے پھر اپنے اسے عہد کو دہرایا کہ چین علاقائی تحفظ اور امن کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھے گا۔ (47)

20-24 فروری 2009

صدر زرداری نے شنگھائی اور بیجنگ کا دورہ کیا اور چائنا کے سٹیٹ کونسلر Dai Bingguo سے ملے۔ (48)

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 6

10 ملک جو 2007 کے بعد وسیع پیمانے پر ہونے والے دہشت گرد حملوں میں سب سے زیادہ متاثر ہوئے

نیتھن کوہن

ایڈیٹر کا نوٹ:

دنیا میں کئی ایسی ریاستیں ہیں جو اندرونی تشدد، بیماریوں اور قحط سالی کا شکار ہیں۔اس ضمیمے میں صرف ایک پہلو یعنی تشدد کے حوالے سے سرفہرست یاستوں کی لسٹ دی گئی ہے۔لسٹ میں موجود مواد کا ماخذ نیشنل کاؤنٹر ٹیررازم سینٹر(NCTC) کا شعبہ ورلڈ وائڈانسیڈنٹ ٹریکنگ سسٹم ہے، جو عالمی سطح پرحادثات کا ریکارڈ رکھتا ہے۔[1] اس فہرست کے مطابق بڑے پیمانے پر ہونے والے ہلاکت خیزحملوں کی زد میں آئے ملکوں میں پاکستان کا نمبر دوسرا ہے یعنی عراق کے بعد..... بھارت اس فہرست میں چھٹے نمبر پر ہے۔فہرست میں شامل مواد کا وقت جولائی 2007 سے شروع ہوتا ہے جب پاکستانی فوج نے لال مسجد کے متشددعناصر کے خلاف آپریشن کیا تھا،اور اپریل 2011 تک جاتا ہے جب NCTC آخری بار اس فہرست میں اضافہ کیا تھا۔

MashalBooks.org

ملک	اموات	حملے
عراق	9087	556
پاکستان	4825	256
افغانستان	3882	394
صومالیہ	3092	206
جمہوریہ کانگو	2781	91
بھارت	1281	77
سوڈان	887	40
سری لنکا	385	27
روس	274	19
ایران	271	12

MashalBooks.org

شریک مصنفین

1۔مائیکل کریپان سٹمسن سنٹر کے شریک بانی اور سٹمسن پروگرامنگ آن ساؤتھ ایشیا کے ڈائریکٹر ہیں، جس کا فوکس جنوبی ایشیا میں اعتماد سازی کا فروغ،ایٹمی خطرات کی تخفیف، ڈیٹرنس استحکام کے لیے اقدامات، کشمیر اور کرائسس منیجمنٹ ہے۔انہوں نے تیرہ کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں یا ان کو مدون کیا ہے۔ان کتابوں میں

Crisis Prevention, Confidence Building, and Reconciliation in South Asia (1995)
Global Confidence Building: New Tools for Troubled Regions (1999)
Nuclear Risk Reduction in South Asia (2004)
Escalation Control and the Nuclear Option in South Asia (2004)
Better Safe than Sorry: The Ironies of Living with the Bomb (2009).

شامل ہیں۔

2۔نیتھن کوہن سٹمسن سنٹر کے جنوبی ایشیا اور خلائی سکیورٹی کے شعبے کے ایک ریسرچ اسسٹنٹ اور Herbert Scoville Jr. Peace کے سابق فیلو ہیں۔انہوں نے Whitman کالج سے سیاسیات میں بی اے کی سند لے رکھی ہے۔

3۔سیموئیل بلیکسٹمسن سنٹر میں 2008 سے 2010 تک ریسرچ ایسوسی ایٹ رہے۔ جہاں وہ خلائی سکیورٹی اور جنوبی ایشیا کے حوالے سے پروگراموں میں کام کرتے تھے۔سٹمسن سنٹر سے منسلک ہونے سے قبل وہ سینٹر آف ڈیفنس انفارمیشن میں اسسٹنٹ ریسرچر تھے، جہاں وہ خلا کی سکیورٹی اور میزائل ڈیفنس مسائل پر کام کرتے تھے۔وہ پبلک پالیسی میں ماسٹرز اور گورنمنٹ اور پالیٹکس میں بی اے کی سند رکھتے ہیں، جو انہوں نے یونیورسٹی آف میری

MashalBooks.org

لینڈ، کالج پارک سے حاصل کی تھیں۔

4۔ولیم شمر سٹمسن سنٹر کے جنوبی ایشیائی اور خلائی سلامتی کے پروگرام سے منسلک ایک سابق انٹرنی ہیں۔وہ اس وقت ولیم اینڈ میری کالج میں گریجویشن کے طالب علم ہیں۔

MashalBooks.org

حواشی

جنوبی ایشیائی بحران : رجحانات اور متوقع نتائج

1۔ مصنف ناتھن کوہن، سیموئیل بلیک، ولیم شمر، میتھیو ہاسٹیکین اور ٹوبی ڈالٹن کا ان کی معاونت کے حوالے سے مشکور ہے۔

2۔ مختصر تعارف اور تقابلی مطالعے کے لیے دیکھیے سیموئیل بلیک کی کتاب "The Structure of South Asian Crises from Brasstacks to Mumbai" کا ضمیمہ نمبر ایک، صفحہ نمبر:54-29

اس کے علاوہ دیکھیے پی آر شیری، پرویز اقبال چیمہ اور سٹیفن کوہن کی کتاب

Four Crises and a Peace Process: American Engagement in South Asia

3۔ دیکھیے گلین ایچ سنائیڈر کی کتاب

"The Balance of Power and the Balance of Terror,"

پال سی بری کی کتاب

The Balance of Power (San Francisco: Chandler, 1965), pp.184-202

پال سی بری کی کتاب

Deterrence and Defense ,p. 226

Robert Jervis کی کتاب

The Illogic of American Nuclear Strategy, pp. 30-31

مائیکل کریپان کی کتاب

"The Stability-Instability Paradox, Misperception, and Escalation-Control in South Asia

اور دیکھیے رفیق ڈوسانی اور ہنری ایس روون کی کتاب

Prospects for Peace in South Asia , pp. 261-279.

MashalBooks.org

4۔ ایس. پال کپور کا کہنا ہے کہ استحکام۔عدم استحکام کے اصول کی مغربی تعبیر جنوبی ایشیا پر لاگو نہیں ہوتی کیونکہ بھارتی روایتی برتری اور جوہری ہتھیاروں کی صلاحیت،نظریاتی طور پر پاکستان کو خطرہ مول لینے کے رویے سے روکتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ایس. پال کپور کی تصنیف

"Revisionist Ambitions, Conventional Capabilities, and Nuclear Instability: Why Nuclear South Asia is not like Cold War Europe,"

مزید مطالعے کے لیے دیکھیے سکاٹ ڈی ساگاں کی کتاب

Inside Nuclear South Asia (Stanford: Stanford University Press, 2009), pp. 184-218

جنوبی ایشیائی تناظر جاننے کے لیے دیکھیے وی آر راگھاون کی کتاب

Limited War and Nuclear Escalation in South Asia

پی آر شیری کی کتاب

Nuclear Restraint, Risk Reduction, and the Security-Insecurity Paradox in South Asia.

مائیکل کریپان کی تصنیف

Nuclear Risk Reduction in South Asia (New York: Palgrave Macmillan, 2004), pp. 19-42;

اور مائیکل کریپان ، روڈنی ڈبلیو جونز اور زید حیدر کی تصنیف

Escalation Control and the Nuclear Option in South Asia (Washington: Stimson Center, 2004).

5۔ وی آر راگھاون کی تحریر

"Limited War and Nuclear Escalation in South Asia," The Nonproliferation Review 8, no.3 (Fall-Winter 2001), p. 86.

6۔ ایضاً p. 86

7۔ دیکھیے Ashley J. Tellis کی تصنیف

Stability in South Asia DB-185-A (Santa Monica: RAND, 1997).

8۔ براس ٹیک کرائسس کے حوالے سے تفصیلی معلومات کے لیے ان مصنفین کی تحریریں اور ذیل میں دی گئی کتابیں ملاحظہ کریں.....Kanti P. Bajpai; پی آر شیری ، پرویز اقبال چیمہ Stephen P. Cohen اور Sumit Ganguly

Brasstacks and Beyond: Perception and Management of Crises in South Asia (NewDelhi: Manohar, 1995);

John H. Gill, "Brasstacks, Prudently Pessimistic"

Nuclear Proliferation in South Asia: Crisis Behaviour and the Bomb (London: Routledge, 2009), pp. 36-58.

9۔ دیکھیے Raj Chengappa کی تصنیف

Weapons of Peace: The Secret Story of India's Quest to Be a Nuclear Power (New Delhi: Harper Collins, 2000), pp. 322-24;

S.S. Gill کی کتاب

The Dynasty: A Political Biography of the Premier Ruling Family of Modern India (New Delhi: HarperCollins, 1996), pp. 474-80

Lt. Gen. P.N. Hoon کی کتاب

Unmasking the Secrets of Turbulence (New Delhi: Manas, 2000), pp. 102-12;

George Perkovich کی تصنیف

India's Nuclear Bomb: The Impact on Global Proliferation (Berkeley: University of California Press, 1999), p. 280;

Ravi Rikhye کی کتاب

The War that Never Was (New Delhi: Chanaky, 1988);

اور شیری Cheema, and Cohen کی کتاب ,

Four Crises and a PeaceProcess, pp. 46-47.

10۔ 1990 کے بحران کے حوالے سے مزید تحقیاتی کام کے لیے دیکھیے Zachary S. Davis کی تصنیف

The India-Pakistan Military Standoff: Crisis and Escalation in South Asia (New York: Palgrave Macmillan, 2011).

کارگل بحران کے حوالے سے مجوزہ کتب یہ ہیں… Peter R. Lavoy کی کتاب

Warfare in South Asia: The Causes and Consequences of the Kargil Conflict (New York: Cambridge University Press, 2009)

Neil Joeck کی کتاب

"The Kargil War and Nuclear Deterrence,"

S. Paul Kapur اور Sumit Ganguly کی کتاب

MashalBooks.org

Nuclear Proliferation in South Asia (New York: Routledge, 2009), pp. 117-143;

From Surprise to Reckoning: TheKargil Review Committee Report (New Delhi: Sage Publications, 1999)

Jasjit Singh کی کتاب

Kargil 1999: PakistanFourth War for Kashmir (New Delhi: Knowledge World, 1999)

Pravin Sawhney اور V.K. Sood کی تصنیف

Operation Parakram: The War Unfinished (New Delhi: Sage Publications, 2003)

بروس ریڈل کی کتاب

American Diplomacy and the 1999 Kargil Summit at Blair House

12۔ جڑواں چوٹیوں کے بحران کے حوالے سے ملاحظہ کریں Praveen Swami کی تصنیف

A war to end a war: the causes and outcomes of the 2001-2 India-Pakistan crisis

Ganguly and Kapur کی کتاب

Nuclear Proliferation in South Asia, pp. 144-162

Kanti Bajpai کی تصنیف

To war or not to war: The India-Pakistan crisis of 2001-2

Ganguly اور Kapur کی کتاب

Nuclear Proliferation in South Asia, pp. 162-182.

13۔ ممبئی بحران سے متعلق تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیے Seth G. Jones کی کتاب

The Lessons of Mumbai

RAND Occasional Paper, 2009,

<http://www.rand.org/pubs/occasional_papers/2009/RAND_OP249.pdf>

14۔ دیکھیے Neville Maxwell کی کتاب

India's China War (New York: Pantheon Books, 1970).

15۔ S. Paul Kapur کی تصنیف

Dangerous Deterrent: Nuclear Weapons, Proliferation and Conflict in South Asia (Stanford:Stanford University Press, 2007), p. 125.

MashalBooks.org

16۔ دیکھیے Stephen Philip Cohen کی کتاب

India: Emerging Power (Washington: The Brookings Institution, 2001), p. 215.

17۔ قومی شناختوں کے حوالے سے موجود تنازعات اور کشمیر کے حوالے سے دیکھیے خاص طور پر دیکھیے Stephen Philip Cohen کی کتاب

The Idea of Pakistan (Washington: The Brookings Institution, 2004), pp. 51-54

اور

India: Emerging Power, pp. 198-227.

علاوہ ازیں کشمیر کے مسئلے پر دیگر بھی کئی اہم تصانیف شائع ہو چکی ہیں جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں

Howard B. Schaffer کی کتاب

The Limits of Influence: America's Role in Kashmir (Washington: The Brookings Institution, 2009)

Navnita Chadha Behera کی تصنیف

Demystifying Kashmir (Washington: The Brookings Institution, 2006)

Verghese Koithara کی کتاب

Crafting Peace in Kashmir: Through a Realist Lens (New Delhi: Sage Publications, 2004)

اور Sumantra Bose کی تصنیف

Kashmir: Roots of Conflict, Paths to Peace (Harvard University Press, 2003).

18۔ رجائیت پسند تخمینوں کے لیے دیکھیے Devin T. Hagerty اور Sumit Ganguly کی تصنیف

Fearful Symmetry: India-Pakistan Crises in the Shadow of Nuclear Weapons (New Delhi: Oxford University Press, 2005)

اور Devin T. Hagerty کی تصنیف

The Consequences of Nuclear Proliferation: Lessons from South Asia.

مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے Kapur کی کتاب

Dangerous Deterrent: Nuclear Weapons, Proliferation and Conflict in South Asia

MashalBooks.org

اور Scott D. Sagan کی کتاب

Inside Nuclear South Asia. For contesting perspectives

اور Scott D. Sagan اور Kenneth N. Waltz کی تصنیف

The Spread of Nuclear Weapons: A Debate Renewed (New York: W.W. Norton & Company,2003)

اور Sumit Ganguly اور S. Paul Kapur کی کتاب

Nuclear Proliferation in South Asia: Crisis Behaviour and the Bomb.

19۔ دیکھیے Sumit Ganguly کی کتاب

Indo-Pakistani Nuclear Issues and the Stability/Instability Paradox

20۔ دیکھیے Hagerty کی تصنیف

The Consequences of Nuclear Proliferation (1998), p. 184.

21۔ ملاحظہ کریں Hagerty کی کتاب

The Kargil War, An optimistic assessment,"

Ganguly اور Kapur کی کتاب

Nuclear Proliferation in South Asia, pp. 100-101.

22۔ دیکھیں Kanti Bajpai کی کتاب

To war or not to war, The India-Pakistan crisis of 2001-2

اور Ganguly اور Kapur کی تصنیف

Nuclear Proliferation in South Asia, p. 136.

23۔ دیکھیے Joeck کی کتاب

The Kargil War and nuclear deterrence

اور Ganguly اور Kapur کی کتاب

Nuclear Proliferation in South Asia, p. 117.

24۔ خاص طور پر ملاحظہ فرمائیں Praveen Swami کی تصنیف

India, Pakistan and the Secret Jihad: The Covert War in Kashmir 1947-2004 (London: Routledge, 2007).

25۔ دیکھیے زاہد حسین کی کتاب

Battling Militancy

ملیحہ لودھی کی کتاب

Pakistan: Beyond the Crisis State p. 137.

MashalBooks.org

26۔ 2006ء کے معاہدے کے مکمل متن کے لیے دیکھیے ویب سائٹ
<http://www.mofa.gov.pk/Pages/Joint_Press_06.htm?>.
شرم الشیخ کے باہمی معاہدے کے لیے وزٹ کریں
<http://www.indianexpress.com/news/india-pak-issue-jointstatement-on-bilateral-relations/490301/2>.

27۔ دیکھیے امرجیت سنگھ اور اسد درانی کی تحقیق
India-Pakistan: need for intelligence cooperation,"Hindu, July 14, 2011
ویب ایڈریس
<http://www.thehindu.com/opinion/op-ed/article2224644.ece>.

28۔ Lavoy کی مکمل کتاب
Asymmetric Warfare in South Asia are worth reading on the Kargil crisis.
علاوہ ازیں دیکھیے Neil Joeck کی کتاب
The Kargil War and nuclear deterrence
اور Ganguly اور Kapur کی کتاب
Nuclear Proliferation in South Asia, pp. 117-143.

29۔ دیکھیں لو پوری کی نیوز سٹوری
"Be Ready for Decisive Battle, PM Tells Jawans," The Hindu, May 23, 2002.

30۔ ملاحظہ کریں Polly Nayak اور مائیکل کریپان کی تحقیق
US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis, (Washington: The Henry L. Stimson Center, 2006), pp. 33-37.
<http://www.stimson.org/images/uploads/research-pdfs/USCrisisManagementFull.pdf>

31۔ ایضا

32۔ ڈائریکٹر جنرل آف پاکستان سٹریٹیجک پلانز ڈویژن کے لیفٹیننٹ جنرل خالد قدوائی کے بارے میں بتایا گیا کہ انہوں نے بھارتی سرزمین اور ائیر فورس کے ان علاقوں کی نشاندہی کی جنہیں تباہ کیا جانا تھا۔دیکھیے Paolo Cotta-Ramusino اور Maurizio Martellini کی تصنیف
Nuclear Safety, Nuclear Stability and Nuclear Strategy in Pakistan, January 21, 2002,

MashalBooks.org

<http://www.centrovolta.it/landau/content/binary/pakistan%20Januray%202002.pdf>.

33۔ مثال کے طور پر دیکھیے Walter C. Ladwig کی تصنیف

A Cold Start for Hot Wars? The Indian Army's New Limited War Doctrine

34۔ دیکھیے Agence France Press کی خبر

Pakistan test fires nuclear-capable missile," April 19, 2011

35۔ ''فوج ایٹمی حملے کے خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار ہے'' ہندوستان ٹائمز کی 26 ستمبر 2006 کی ایک خبر

36۔ General V. Prakash Malik سے انٹرویو..... تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں Rediff <http://www.rediff.com/news/2001/Jul/27inter.htm>

علاوہ ازیں دیکھیے V.P. Malik کی تحریر

"Fighting limited wars: A major challenge for the military," Observer Research Foundation, July 5, 2010 <http://www.observerindia.com/cms/sites/orfonline/modules/analysis/AnalysisDetail.html?cmaid=19379&mmacmaid=19380>.

37۔ ملاحظہ کریں Ladwig کی تصنیف

"A Cold Start for Hot Wars?" pp. 158-190.

38۔ دیکھیے وائس آف امریکہ 21 جنوری 2011 کی خبر

"Expert Says US Should Help Revive India-Pakistan Peace Talks," <http://www.voanews.com/english/news/asia/Expert-Says-US-Should-Help-Revive-India-Pakistan-Peace-Talks-114375249.html>.

39۔ دیکھیے Teresita Schaffer کا مضمون

"Is There Life After Cricket?" South Asia Hand, April 1, 2011, <http://southasiahand.com/pakistan/india-pakistan-is-there-life-after-cricket/>.

40۔ ملاحظہ کریں شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, p. 185

علاوہ ازیں دیکھیں Stephen Philip Cohen کی تحقیق

India: Emerging Power (Washington: Brookings Institution), pp. 147-48.

41۔ دیکھیں Bajpai کی تحریر

Brasstacks and Beyond, p. 92.

MashalBooks.org

42۔ ملاحظہ کریں Chengappa کی کتاب

Weapons of Peace, p. 331.

43۔ ملاحظہ فرمائیں جسجیت سنگھ کا مضمون

"Why Nuclear Weapons?" in Jasjit Singh, ed., Nuclear India (New Delhi: Knowledge World,1998), p. 20.

44۔ 1990 کے بحران کے دوران پاکستان میں موجود امریکہ کے سفیر رابرٹ بی آکلے نے علت ومعلول کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار مائیکل کریپان اور Mishi Faruqee کی کتاب

in South Asia Conflict Prevention and Confidence-Building Measures میں کیا..... 1990 کے کرائسس کے حوالے سے دیکھیے:

"Henry L. Stimson Center, Occasional Paper #17, April 1994, p. 45, <http://www.stimson.org/images/uploads/research-pdfs/occasionalpaper17-web.pdf>,

یہی مواد بعد ازاں مائیکل کریپان اور Chris Gagne نے اپنی کتاب

Nuclear Risk Reduction in South Asia (Delhi: Vision Books), pp. 188-236.

میں شامل کیا۔

علاوہ ازیں دیکھیے George Perkovich کی کتاب

India's Nuclear Bomb: The Impact on Global Proliferation (Berkeley: University of California Press, 1999) pp. 293-308

اور Hagerty کی کتاب

The Consequences of Nuclear Proliferation, pp. 133-170

نعیم سالک کی کتاب

The Genesis of South Asian Nuclear Deterrence: Pakistan's Perspective (London: Oxford University Press,2009), pp. 125-130

اور شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, pp. 100-107.

45۔ دیکھیے Perkovich کی کتاب

India's Nuclear Bomb, pp. 293-317.

46۔ دیکھیے Chengappa کی کتاب

MashalBooks.org

Weapons of Peace, p. 357.

47۔ دیکھیے K. سبرامنیم کی تصنیف

Indian Nuclear Policy - 1964-98 (A personal recollection)

اور Jasjit Singh کی کتاب

Nuclear India (New Delhi: Knowledge World, 1998), p. 44.

48۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, pp. 105-07.

49۔ دیکھیے مثال کے طور پر Seymour Hersh کی تحقیق

"On the Nuclear Edge," The New Yorker, March 29, 1993, <http://www.newyorker.com/archive/1993/03/29/1993_03_29_056_TNY_CARDS_000363214>

اور William E. Burrows اور Robert Windham کی کتاب

Critical Mass: The Dangerous Race for Superweapons in a Fragmenting World (NewYork: Simon and Schuster, 1990).

50۔ دیکھیے کے سبرامنیم کی کتاب

Indian Nuclear Policy - 1964-98 (A personal recollection)

اور Singh کی کتاب

Nuclear India, p. 45.

51۔ دیکھیے Hersh کا مضمون

"On the Nuclear Edge," The New Yorker, March 29, 1993

مصنف نے Hersh کے اس مضمون کے بعد Kerr کے ساتھ ایک دعوت میں شرکت کی اور اس سے پوچھا کہ آیا ان کا حوالہ صحیح دیا گیا ہے۔ Kerr نے اس سوال کا جواب ہاں میں دیا۔ جب یہ پوچھا گیا کہ کیا انہیں واقعی اس بات پر یقین ہے کہ ایٹمی جنگ کے خطرے کے حوالے سے کیوبا میزائل کرائسس کے بعد 1990 کا بحران سب سے بڑا تھا تو جواب ملا کہ پتہ نہیں کیونکر وہ اس مقام پر مبالغہ آرائی سے کام لے گیا۔

52۔ Stephen P. Cohen پی آر شیری اور پرویز اقبال چیمہ کی کتاب

The Compound Crisis of 1990: Perception, Politics, and Insecurity (Urbana: ACDIS Research Report, 2000), p. 111.

53۔ Raj Chengappa کے ذرائع نے انہیں بتایا کہ کارگل کرائسس کے دوران انڈیا کے

MashalBooks.org

ایٹمی ہتھیار انتہائی تیاری کی حالت میں تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے Raj Chengappa کی کتاب

Weapons of Peace, p. 9.

54۔ کرائسس کے دوران نیوکلیائی خطرات کے حوالے سے مزید معلومات کے لیے دیکھیے فیروز حسن خان کی کتاب

Nuclear Signaling, Missiles, and Escalation Control in South Asia

اور مائیکل کریپان ، روڈنی ڈبلیو جونز اور زید حیدر

Escalation Control and the Nuclear Option in South Asia (Washington: The Henry L. Stimson Center, 2004), pp.75-100

اور Rahul Roy-Chaudhury کا مضمون

جو Krepon, "Nuclear Doctrine, Declaratory Policy, and Escalation Control," کی

کتاب Escalation Control and the Nuclear Option in South Asia; pp. 101-18

میں شامل ہے۔ اور دیکھیے Timothy D. Hoyt کا مضمون

Kargil: the nuclear dimension

جو Lavoy کی تدوین شدہ کتاب

Asymmetric Warfare in South Asia, pp. 144-170 میں شامل ہے۔

اور دیکھیے Vipin Narang کی کتاب

Posturing for Peace?: Pakistan's Nuclear Postures and South Asian Stability," International Security 34, no. 3 (Winter 09/10), 38-78.

55۔ ڈیٹرنس قائم رکھنے کے حوالے سے پاکستان اور بھارتی حکام کے بیانات دیکھنے کی کتاب

The Changing Political Utility of Nuclear Weapons: Nuclear Threats from 1970 to 2010," Stimson Center, <http://www.stimson.org/images/uploads/research-pdfs/Nuclear_Final.pdf>.

56۔ David Albright کا مقالہ

"Securing Pakistan's Nuclear Weapons Complex."
<http://www.isis-online.org/publications/terrorism/stanleypaper.html>;
http://www.isis-online.org/isis-reports/detail/pakistan-doubling
-rate-of-making-nuclear-weapons-time-for-pakistan-torever/>;

اور دیکھیے Hans Kristensen and Shannon Kile کی کتاب
"SIPRI Yearbook 2003," <http://www.sipri.org/yearbook/2003/files/SIPRIYB03115A.pdf>

اور دیکھیے Natural Resources Defense Council کا مضمون.....ویب ایڈریس یہ ہے
<http://www.nrdc.org/nuclear/nudb/datab20.asp>;
<http://www.isis-online.org/publications/southasia/stocks1000.html>;

اور Bharath Gopalaswamy، Vitaly Fedchenko، Shannon Kile اور Hans Kristensen کی کتاب
"SIPRI Yearbook 2011: Armaments, Disarmament and International Security,"
Oxford University Press: Oxford, 2011,
<http://www.sipri.org/yearbook/2011/07>;

مزید دیکھیے David Albright اور Paul Brannan کی تصنیف
, "Pakistan Doubling Rate of Making Nuclear Weapons: Time for Pakistan to Reverse Course," ISIS Reports, May 16, 2011, <http://www.isis-online.org/isis-reports/detail/pakistan-doubling-rate-of-making-nuclear-weapons-time-for-pakistan-to-rever/>;

اور Robert S. Norris اور Hans M. Kristensen کی تصنیف
"Global Nuclear Weapons Inventories: 1945-2010", Bulletin of the Atomic Scientists 66, no. 4 (July 2010).

57۔ دیکھیے Peter R. Lavoy کا مضمون
Islamabad's Nuclear Posture: Its Premises and Implementation,"
جو Henry D Sokolski کی کتاب
Pakistan's Nuclear Future: Worries Beyond War pp.129-166,
میں شامل ہے
اور دیکھیے Gregory S. Jones کا مقالہ
"Pakistan's 'Minimum Deterrent' Nuclear Force Requirements," in Sokolski,Pakistan's Nuclear Future, pp. 87-128.

58۔ دیکھیے شیری کی کتاب
Four Crises and a Peace Process.

MashalBooks.org

59۔ دیکھیے Tellis کی کتاب

India's Emerging Nuclear Posture, p. 672.

60۔ ان تخمینوں کے حوالے سے بھارتی میڈیا کی کوریج کے حوالے سے دیکھیے The Economic Times کے خبریں

"Pakistan has100 nuclear weapons, doubled its arsenal: Post," January 31, 2011
<http://articles.economictimes.indiatimes.com/2011-01-31/news/28425793_1_hans-m-kristensen-science-and-international-security-nuclear-arsenal>;
The Hindu, "Pakistan's nuclear arsenal to overtake India's: SIPRI," June 3, 2010
<http://www.thehindu.com/news/national/article445321.ece>
Press Trust of India, "Pakistan has 110 N-Weapons, edges ahead of India: US Report,"
The Times of India, January 31, 2011
<http://articles.timesofindia.indiatimes.com/2011-01-31/us/28377446_1_weapons-fissile-material-nuclear-arms>.

علاوہ ازیں دیکھیے The Economic Times کا مضمون

Pak has 110 N-weapons to edge ahead of India: US Report," January 31, 2011
<http://articles.economictimes.indiatimes.com/2011-01-31/news/28430605_1_weapons-fissile-material-nuclear-arms>;
<http://www.guardian.co.uk/world/us-embassy-cables-documents/181529>.

61۔ مثال کے طور پر دیکھیے آفس آف سیکرٹری آف ڈیفنس کا بیان

"Military and Security Developments Involving the People's Republic of China," Department of Defense, 2010
<http://www.defense.gov/pubs/pdfs/2010_CMPR_Final.pdf>, pp.1-3, 29-35, 47.

62۔ دیکھیے Tellis کی کتاب

India's Emerging Nuclear Posture, p. 731.

63۔ دیکھیے Lavoy کا مقالہ

"Islamabad's Nuclear Posture: Its Premises and Implementation,"

MashalBooks.org

Sokolski کی کتاب

Pakistan's Nuclear Future, pp. 133-4

Vipin Narang کا مقالہ میں شامل ہے۔ علاوہ ازیں دیکھیے

"Posturing for Peace?" International Security 34, no. 3 (09/10), pp. 38-78.

64۔ دیکھیے اظفر الحق کا The International News میں مضمون

"Deterrence Strategy to be Maintained: Musharraf," December 13, 2003

Raghavan نے اپنے مضمون "Limited War and Nuclear Escalation in South Asia,"

میں یہ خیال ظاہر کیا کہ بھارتی فوجی بھی پاکستانی فوج کی طرح جارحانہ عزائم کا اظہار کرتے ہیں۔

The Nonproliferation Review, pp. 89-91.

65۔ پاکستان کے مسائل کے حوالے سے کافی سارا لٹریچر موجود ہے، مثال کے لیے دیکھیے: حسین حقانی کی کتاب Pakistan: Between Mosque and Military اور سٹیفن فلپ کوہن کی کتاب

The Idea of Pakistan (Washington: The Brookings Institution, 2004).

66۔ دیکھیے منیزہ نقوی کا واشنگٹن پوسٹ میں نیوز آرٹیکل

"66 Die in India-Pakistan Train Attack," February 18, 2007, <http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/article/2007/02/18/AR2007021801136.html>.

67۔ دیکھیے M.S. Liberhan کی رپورٹ بعنوان

Report of the Liberhan Ayodhya Commission of Inquiry, June 30, 2009, <http://www.thehindu.com/multimedia/archive/00014/Liberhan_Report_Part_14078a.pdfLiberhan_Report_Part_14078a.pdf>

اور Akshay H. Mehta, G.T. Nanavati کی رپورٹ بعنوان

Report by the Commission of Inquiry Consisting of Mr.Justice G.T. Nanavati and Mr. Justice Akshay H. Mehta, September 18, 2008, <http://www.sacw.net/DC/CommunalismCollection/ArticlesArchive/NanavatiReport1.pdf>.

68۔ S. Paul Kapur اس حوالے سے برعکس خیال ظاہر کرتا ہے ''کمزور کے لیے زیادہ مراعات درکار ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مثال کے لیے پاکستان کو پیش کیا جا سکتا ہے جو سٹیٹس کو کی

تبدیلی کے لیے پہلے علاقے پر قبضہ کرتا ہے اور تیسری طاقت کو مداخلت کی دعوت دیتا ہے۔'' بحوالہ

Dangerous Deterrent, p. 178.

69۔ پی آر شیری کی کتاب

Indo-Pak Nuclear Standoff (New Delhi: Manohar, 1995), p. 137.

J.N. Dixit۔70 کی تصنیف

India-Pakistan in War & Peace (London: Routledge, 2002), p. 229.

71۔ مثال کے لیے دیکھیے مائیکل کریپان، خورشید خواجہ، مائیکل نیوبل اور جینی ایس ڈریزن کا مضمون

Confidence Building: New Tools for Troubled Regions (New York: St. Martin's Press, 1999)

مائیکل کریپان کی تصانیف

(1)Nuclear Risk Reduction in South Asia
(2)Escalation Control and the Nuclear Option in South Asia.

72۔ کے سبرامنیم کی کتاب

Nuclear Myths and Realities: India's Dilemma (New Delhi p. 56.

73۔ راجہ مینن کی تصنیف

A Nuclear Strategy for India (New Delhi: Sage Publications, 2000), p. 294.

74۔ دیکھیے سٹروب ٹالبوٹ کی کتاب

Engaging India: Diplomacy, Democracy, and the Bomb

اور Lavoy کی تصنیف

Asymmetric Warfare in South Asia

اور ریڈل کی کتاب

"American Diplomacy and the 1999 Kargil Summit at Blair House."

75۔ اور دیکھیے کوہن کی کتاب

The Compound Crisis of 1990

اور پی آر شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, pp.80-117

"US Crisis Management in South Asia" کی مشترکہ تحقیق Nayak and Krepon اور

MashalBooks.org

"Twin Peaks Crisis," جو ڈیوس کی مدون شدہ درج ذیل کتاب میں شامل ہے

The India-Pakistan Military Standoff, pp. 143-186

"The 2001-2002 Standoff: A Real-Time کی تحقیق Col. (Retd.) David Smith اور

View," جو ڈیوس کی مندرجہ ذیل مدون شدہ کتاب میں درج ہے

The India-Pakistan Military Standoff: Crisis and Escalation in South Asia, pp. 187-212.

76۔ Aparna Pande کا تحقیقی مقالہ جو Indus Asia Online Journal میں شائع ہوا

"Pak-China: Changed Equations," August 26, 2009, <http://iaoj.wordpress.com/2009/08/27/pak-china-changed-equations/>.

77۔ دیکھیے Neil Joeck کا مضمون

"The Kargil War and nuclear deterrence,"

جو Ganguly اور Kapur کی ذیل کی کتاب میں شامل ہے

Nuclear Proliferation in South Asia, p.137.

78۔ شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 215.

79۔ مثال کے لیے دیکھیے سوامی کی کتاب

India, Pakistan and the Secret Jihad

اور سوامی کا مضمون

"A War to end a war: the causes and outcomes of the 2001-2 India-Pakistan crisis"

جو Ganguly اور Kapur کی تدوین کی گئی ذیل کی کتاب میں شامل ہے

Nuclear Proliferation in South Asia, pp. 144-161.

80۔ عدم معلومات کے حوالے سے دیکھیں شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 215

اس کتاب کا اختتام رجائیت پسندانہ نقطہ نظر پر ہوتا ہے مگر سٹیفن فلپ کوہن کی بعد کی تحریروں میں مایوسی کا عنصر زیادہ واضح ہے۔

81۔ دیکھیے باجپائی کا مضمون

"To war or not to war,"

جو Ganguly اور Kapur کی ذیل کی کتاب میں شامل ہے

MashalBooks.org

Nuclear Proliferation in South Asia, p. 135.

82۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, especially p. 190.

83۔ دیکھیے جاک کی تحقیق

"The Kargil War and nuclear deterrence,"

جو Ganguly اور Kapur کی درج ذیل کتاب میں شامل ہے

Nuclear Proliferation in South Asia, p.138.

84۔ دیکھیے Lavoy کی کتاب

Asymmetric Warfare in South Asia, p. 32.

85۔ ایضاً p. 13

86۔ Ganguly اور Hagerty کی کتاب

Fearful Symmetry, p. 191.

87۔ باجپائی کا مضمون جو Ganguly اور Kapur کی ذیل کی کتاب میں شامل ہے

Nuclear Proliferation in South Asia, p. 136.

88۔ دیکھیے Lavoy کی کتاب

Asymmetric Warfare in South Asia

اور Kapur کی کتاب

Dangerous Deterrent, pp. 115-140.

89۔ پی آر شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process (2007), pp. 188-89.

90۔ دیکھیے پرویز اقبال چیمہ کی کتاب

The Armed Forces of Pakistan (Karachi: Oxford University Press, 2002), p. 184.

91۔ دیکھیے Neil Joeck کی کتاب

Maintaining Nuclear Stability in South Asia, Adelphi Paper 312 (New York: Oxford University Press, 1997), p. 30.

92۔ بھارت کے جوہری پروگرام میں شامل اہم شخصیات کو جاننے کے لیے دیکھیے

Itty Abraham کی تصنیف

The Making of the Indian Atomic Bomb: Science, Secrecy and the Postcolonial State (London: Orient Longman, 1998)

MashalBooks.org

اور Perkovich کی کتاب

India's Nuclear Bomb

اور امریتا شاہ کی کتاب

Vikram Sarabhai: A Life (New Delhi: Penguin Books, 2007).

93۔ دیکھیں وی آر راگھاون کی تحقیق

"Limited War and Nuclear Escalation in South Asia," The Nonproliferation Review, p. 91.

94۔ دیکھیں کانتی باجپائی کا مضمون "The BJP and the Bomb" جو Sagan کی درج ذیل کتاب میں شامل ہے

Inside Nuclear South Asia, pp. 25-67.

95۔ دیکھیں کے سبرامنیم کی کتاب

Shedding Shibboleths, p. 115.

96۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 192.

97۔1990 کے بحران میں امریکی ڈیفنس اتاشیوں کے کردار کے حوالے سے دیکھیے Krepon اور فاروقی کی تصنیف

"ConflictPrevention and Confidence-Building Measures in South Asia: The 1990 Crisis."

98۔ دیکھیں Nayak اور Krepon کی کتاب

"US Crisis Management In South Asia's Twin Peaks Crisis," pp. 17-18.

99۔ دیکھیں Stephen Philip Cohen کی کتاب "Nuclear Neighbors" میں شامل مضمون

Nuclear Proliferation in South Asia: The Prospects for Arms Control (Boulder: Westview Press, 1991), p. 15.

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر1

جنوبی ایشیائی بحرانوں کی ساخت

براس ٹیک سے ممبئی تک

سیموئیل بلیک

1۔ مصنف اس ضمیمے کی تیاری کے حوالے سے اپنے معاونین کی معاونت کے حوالے سے ان کا شکر گزار ہے۔ سب سے پہلے میں مائیکل کریپان کا شکر گزار ہوں جن کی رہنمائی اور رواداری ہمیشہ میرے شامل حال رہی۔ انہوں نے اور پالی نائک نے واقعات کی توضیح کرنے میں میری بھرپور مدد کی ۔ جیسی کلیو لینڈ، نیٹ کوہن، شیریں ہیووال، ول شمر اور ایلیسن سمتھ نے ریسرچ اور تدوین کے حوالے سے میری بڑی مدد کی۔ اور کیٹ لوئفل مین ہمیشہ کی طرح میرے رہنما رہے۔اس ضمیمے میں اگر کوئی غلطی یا کوتاہی رہ گئی ہے تو اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

2۔ دیکھیے پی آر شیری، پرویز اقبال چیمہ اور Stephen P. Cohen کی کتاب

Four Crises and a Peace Process: American Engagement in South Asia (Washington, D.C.: Brookings Institution Press, 2007), pp. 42-5.

3۔ دیکھیے شجاع نواز کی کتاب

Crossed Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within (Oxford, UK: Oxford University Press, 2008), p. 391.

4۔ ایضاً p. 391

5۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, pp. 44-6.

6۔ ایضاً p. 51

7۔ اس ضمیمے میں خطوں کے جو نام دیے گئے ہیں اس میں سیاسی نزاکتوں کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔اس ضمیمے میں 'بھارتی ریاست جموں وکشمیر' یا 'جموں وکشمیر' اس پرنسلی ریاست کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو بھارت کے زیر انتظام ہے۔کشمیر اس خطے کے عمومی نام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔مصنف نے سابقہ پرنسلی سٹیٹس کے حوالے سے موجود

سیاسی تنازعات پر اپنی کوئی رائے زنی نہیں کی ہے۔ ان اصطلاحات کے استعمال کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ مصنف اس تنازع میں شریک پارٹیوں میں کسی پارٹی کا ساتھ دینے کے حوالے سے کوئی تعصب برت رہا ہے۔

8۔ دیکھیے شجاع نواز کی کتاب

Crossed Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within (Oxford, UK: Oxford University Press, 2008) p. 392.

9۔ ایضاً p. 391

10۔ دیکھیے

"The Bangalore Declaration of the Heads of State or Government of the member countries of the South Asian Association for Regional Cooperation," November 17, 1986, <http://www.saarctourism.org/secondsaarc-summit.html>.

11۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, pp. 50 and 145.

12۔ ایضاً p. 45-6

13۔ ایضاً p. 52

14۔ دیکھیے پی آر شیری کی تصنیف

"Nuclear Crisis, Escalation Control, and Deterrence in South Asia," Stimson Center Working Paper, August 2003, <http://www.stimson.org/southasia/pdf/escalation_.pdf>, p. 15.

15۔ دیکھیے Constitution of Jammu and Kashmir, Article 92, Paragraph (a), <http://jkgad.nic.in/statutory/Rules-Costitution-of-J&K.pdf>.

16۔ دیکھیے Sumit Ganguly کی تصنیف

"Explaining the Kashmir Insurgency: Political Mobilization and Institutional Decay," International Security 21, no. 2 (Fall 1996).

17۔ دیکھیے شجاع نواز کی کتاب

Crossed Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within, p. 392.

18۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 53.

MashalBooks.org

19۔ ایضاً p. 53

20۔ ایضاً pp. 53-4

21۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

"Nuclear Crisis, Escalation Control, and Deterrence in South Asia," p. 16

اور شیری کی ہی تصنیف

Four Crisesand a Peace Process, p. 63.

22۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, pp. 40, 55, 64.

23۔ دیکھیے Vipin Narang کی تصنیف

"Posturing for Peace: Pakistan's Nuclear Postures and South Asian Stability," International Security 34, no. 3 (Winter 2009/10), p. 51.

24۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 74.

25۔ ایضاً p. 56

26۔ ایضاً pp. 56, 62

27۔ ایضاً pp. 57-8

28۔ دیکھیے Simrat Dhillon کی تصنیف

"The Sikh Diaspora and the Quest for Khalistan: A Search for Statehood or for Selfpreservation?"
Institute of Peace and Conflict Studies Research Paper #12, December 2007, <http://www.ipcs.org/pdf_file/issue/178713218
1IPCS-ResearchPaper12-SimratDhillon.pdf>, pp. 2-4

Varinder Walia کا مضمون

"Army reveals startling facts on Bluestar," The Tribune (Chandigarh, India), March 19, 2007,
<http://www.tribuneindia.com/2007/20070320/punjab1.htm>

Jaskaran Kaur کی تصنیف

Twenty Years of Impunity: The November 1984 Pogroms of Sikhs in India," Ensaaf Report, 2nd Edition, October 2006,
<http://ensaaf-org.jklaw.net/publications/reports/20years/20years-2nd.pdf>.

29۔ دیکھیے M.L. Sondhi کا مضمون

"Security In Perspective," The Hindustan Times, April 24, 1998, <http://mlsondhi.org/Indian%20Foreign%20Policy/SECURITY%20IN%20PERSPECTIVE.htm>.

30۔ دیکھیے شجاع نواز کی کتاب

Crossed Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within, pp. 391-411.

31۔ دیکھیے Howard B. Schaffer کی تصنیف

The Limits of Influence: America's Role in Kashmir, (Washington, D.C.: Brookings Institution Press, 2009), p. 124.

32۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, pp. 84-5.

33۔ دیکھیے George Perkovich کی تصنیف

India's Nuclear Bomb: The Impact on Global Proliferation (Berkeley, CA: University of California Press, 2001), p. 307.

34۔ شیری دیکھیے کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 86.

35۔ دیکھیے شجاع نواز کی کتاب

Crossed Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within, pp. 418-420.

36۔ ایضاً p. 421

37۔ دیکھیے Schaffer کی تصنیف

The Limits of Influence: America's Role in Kashmir, p. 125.

38۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 89.

39۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

"Nuclear Crisis, Escalation Control, and Deterrence in South Asia," p. 16.

40۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 87.

41۔ ایضاً pp. 89-90, 101, 102

42۔ دیکھیے کے کے سبرامنیم، کے کے ہزاری، بی جی ورگیسے اور ستیش چندرا کی رپورٹ

From Surprise to Reckoning: The Kargil Review Committee Report (New

MashalBooks.org

Delhi: Sage Publications, 2000), p. 65.

43۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, pp. 90-1.

44۔ دیکھیے مائیکل کریپان اور Chris Gagne کی تصنیف

Nuclear Risk Reduction in South Asia (New Delhi: Vision Books, 2003), p. 200.

45۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

"Nuclear Crisis, Escalation Control, and Deterrence in South Asia," p. 16.

46۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 91.

47۔ ایضاً pp. 91-2

48۔ ایضاً p. 97

49۔ دیکھیے Krepon اور Gagne کی تصنیف

Nuclear Risk Reduction in South Asia, pp. 201-6.

50۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 93.

51۔ ایضاً p. 94

52۔ دیکھیے Krepon اور Gagne کی تصنیف

Nuclear Risk Reduction in South Asia, pp. 204-5, 215

53۔ دیکھیے Schaffer کی تصنیف

The Limits of Influence: America's Role in Kashmir, p. 129.

54۔ دیکھیے Siddharth Varadarajan کی تصنیف

"When Robert M. Gates Came Calling," The Hindu, November 10, 2006, <http://www.hindu.com/2006/11/10/stories/2006111019281400.htm>.

55۔ دیکھیے Devin T. Hagerty کی تصنیف

"Nuclear Deterrence in South Asia: The 1990 Indo-Pakistani Crisis," International Security 20, no. 3 (Winter 1995).

56۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, pp. 97-8.

MashalBooks.org

57۔ ایضاً p. 95

58۔ دیکھیے فیروز حسن خان اور Peter R. Lavoy اور Christopher Clary کی تصنیف
Asymmetric Warfare in South Asia: The Causes and Consequences of the Kargil Conflict,ed. Peter R. Lavoy (New York: Cambridge University Press, 2009), p. 85.

59۔ دیکھیے Schaffer کی تصنیف
The Limits of Influence: America's Role in Kashmir, p. 157.

60۔ دیکھیے سبرامنیم کی رپورٹ
From Surprise to Reckoning: The Kargil Review Committee Report, p. 93.

61۔ ایضاً p. 513

62۔ دیکھیے Peter R. Lavoy کی تصنیف
Asymmetric Warfare in South Asia: The Causes and Consequences of the Kargil Conflict (New York: Cambridge University Press, 2009), p. 32.

63۔ دیکھیے شیری کی تصنیف
Four Crises and a Peace Process, p. 141-2.

64۔ دیکھیے سبرامنیم کی رپورٹ
From Surprise to Reckoning: The Kargil Review Committee Report, p. 88.

65۔ دیکھیے شیری کی تصنیف
Four Crises and a Peace Process, p. 120.

66۔ پاکستانی اور بھارتی انفینٹری بریگیڈ کا حجم عمومی طور پر تین ہزار افراد ہوتے ہیں۔

67۔ دیکھیے سبرامنیم کی رپورٹ
From Surprise to Reckoning: The Kargil Review Committee Report, p. 100.

68۔ دیکھیے بروس ریڈل کی تصنیف
American Diplomacy and the 1999 Kargil Summit at Blair House, Policy Paper Series, 2002, <http://media.sas.upenn.edu/casi/docs/research/papers/Riedel_2002.pdf >, p. 3.

69۔ دیکھیے بی بی سی نیوز
"India Loses Two Jets," BBC.com, May 27, 1999, <http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/354120.stm>.

MashalBooks.org

70۔ دیکھیے سبرامنیم کی رپورٹ

From Surprise to Reckoning: The Kargil Review Committee Report, p. 95.

71۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 146.

72۔ دیکھیے ریڈل کی تصنیف

American Diplomacy and the 1999 Kargil Summit at Blair House, p. 4

اور دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 131.

73۔ دیکھیے سبرامنیم کی رپورٹ

From Surprise to Reckoning: The Kargil Review Committee Report, p. 100.

74۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 139.

75۔ ایضاً p. 131

اور دیکھیے Talbott کی تصنیف

Engaging India: Diplomacy, Democracy, and the Bomb, pp. 157-8.

76۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, pp. 122, 131

اور دیکھیے Talbott کی تصنیف

Engaging India: Diplomacy, Democracy, and the Bomb, pp. 158.

77۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p.133.

78۔ دیکھیے Talbott کی تصنیف

Engaging India: Diplomacy, Democracy, and the Bomb, p. 161

اور دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 136

اور Steve Coll کی تصنیف

Ghost Wars (New York: Penguin Books, 2005), p. 480.

79۔ دیکھیے Tom Clancy اور General Tony Zinni (Retd.) اور Tony Koltz کی تصنیف

Battle Ready (New York: G.P Putnam's Sons, 2004), p. 347.

MashalBooks.org

80۔ دیکھیے ریڈل کی تصنیف

American Diplomacy and the 1999 Kargil Summit at Blair House, p. 6.

81۔ ایضاً p. 7

82۔ مشترکہ بیان کی تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیے

<http://news.bbc.co.uk/2/hi/world/monitoring/386171.stm>.

83۔ دیکھیے شجاع نواز کی کتاب

Crossed Swords: Pakistan, Its Army, and the Wars Within, p. 523.

84۔ دیکھیے K.K. Katyal کا مضمون

"India forces cancellation of SAARC meeting," The Hindu, August 17, 2000, <http://www.hinduonnet.com/2000/08/17/stories/03170002.htm>.

85۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, pp. 150-1.

86۔ دیکھیے مائیکل کریپان اور Polly Nayak کی کتاب

US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis (Washington <http://www.stimson.org/southasia/pdf/USCrisisManagementFull.pdf>,

87۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, p. 152

اور دیکھیے کریپان اور نائک کی تصنیف

US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis, pp. 14-6.

88۔ دیکھیے S. Paul Kapur کی تصنیف

Dangerous Deterrent: Nuclear Weapons, Proliferation and Conflict in South Asia (Stanford Stanford University Press, 2007), p. 80

اور شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, p. 149.

89۔ دیکھیے John H. Gill کی کتاب

"Dissuasion and Confrontation: US Policy in India-Pakistan Crises," Strategic Insights 3, no.10 (October 2004), <http://www.ccc.nps.navy.mil/si/2004/oct/gillOct04.asp>.

90۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 153.

MashalBooks.org

91۔ ایضا 154 اور 159

92۔ ایضا 153 اور 168

93۔ ایضا 173 کیونکہ بیلسٹک میزائل جوہری اور روایتی دونوں قسم کے بارود کو لے جانے کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں اس لیے یہ اہم جنگی ہتھیار ہیں۔

94۔ دیکھیے پی آر شیری کا مضمون "Nuclear Restraint, Risk Reduction and the Security-Insecurity Paradox in South Asia," جو مائیکل کریپان اور کرس گیگنی کی درج ذیل کتاب میں موجود ہے

Nuclear Risk Reduction in South Asia p. 33.

95۔ دیکھیے Lawrence Saez کی تحقیق

"India in 2002: The BJP's Faltering Mandate and the Morphology of Nuclear War," Asian Survey 43, no. 1 (January-February 2003), p. 187.

96۔ دیکھیے Krepon اور Nayak کی کتاب

US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis, pp. 22-25, 29, 31.

97۔ دیکھیے شیری کی کتاب

"Nuclear Restraint, Risk Reduction and the Security-Insecurity Paradox in South Asia," p. 31.

98۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, p. 154.

99۔ دیکھیے Saez کی کتاب

"India in 2002: The BJP's Faltering Mandate and the Morphology of Nuclear War," p. 188.

100۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 157

اور بی بی سی نیوز کی خبر

"Musharraf Speech Highlights," BBC.com, January 12, 2002, <http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/1757251.stm>.

101۔ بڑے ہلاکت خیز حملوں کی مکمل فہرست ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیے اس کتاب میں ناتھن کوہن کا ضمیمہ نمبر 5۔

MashalBooks.org

102۔ دیکھیے ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل کی ریسرچ

"Jammu and Kashmir: Fatalities in Terrorist Violence: January-July, 2002-2005,"
<http://www.satp.org/satporgtp/countries/india/states/jandk/data_sheets/inj_camp.htm>.

103۔ دیکھیے مائیکل کریپان، روڈنی ڈبلیو جونز اور زید حیدر کی کتاب Escalation Control and the Nuclear Option in South Asia میں راہول رائے چوہدری کا مضمون

"Nuclear Doctrine Declaratory Policy, and Escalation Control,"

104۔ ایضاً p. 188

105۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, p. 160.

106۔ دیکھیے Saez کی کتاب

"India in 2002: The BJP's Faltering Mandate and the Morphology of Nuclear War," p. 189.

107۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, 154, 182.

108۔ دیکھیے ڈان کی خبر

"Pakistan to Test Missiles," Dawn, May 25, 2002,
<http://www.dawn.com/2002/05/25/top10.htm>.

109۔ دیکھیے مسعود حیدر کے حوالے سے ڈان میں شائع شدہ خبر

"Islamabad refuses to accept 'no first strike' doctrine,"May 31, 2002,
<http://www.dawn.com/2002/05/31/top4.htm>.

110۔ دیکھیے ڈان کی خبر

"Pakistan May Use Nukes, says Musharraf," April 7, 2002,
<http://www.dawn.com/2002/04/07/top5.htm>.

111۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 169.

112۔ ایضاً p. 163

113۔ دیکھیے کریپان اور نائیک کی کتاب

US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis, p. 34.

MashalBooks.org

114۔ دیکھیے شیری کی تصنیف

Four Crises and a Peace Process, p. 170.

115۔ ایضاً p. 163

اور کریپان اور نائک کی تصنیف

US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis, p. 35.

116۔ دیکھیے کریپان اور نائک کی تصنیف

US Crisis Management in South Asia's Twin Peaks Crisis, p. 18.

117۔ دیکھیے شیری کی کتاب

Four Crises and a Peace Process, p. 177.

118۔ دیکھیے رابرٹ ڈی بلیک ول کی تحقیق

"The Lessons of Mumbai," RAND Corporation Occasional Paper #249, 2009 <http://www.rand.org/pubs/occasional_papers/2009/RAND_OP249.pdf>

119۔ دیکھیے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی خبر

"I made no phone call to Zardari: Mukherjee," Hindustan Times, Dec 12, 2008 <http://www.hindustantimes.com/StoryPage/Print.aspx?Id=4bfc7b7e-2a0e-4f65-8497-4fd4e926eeff>.

120۔ دیکھیے Somini Sengupta اور Keith Bradsher کا مضمون

"Mumbai Terrorist Siege Over, India Says," New York Times,November 28, 2008 <http://www.nytimes.com/2008/11/29/world/asia/29mumbai.html>.

121۔ ایضاً

122۔ دیکھیے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی خبر

"India summons Pak envoy, issues protest note," Times of India, Dec 1, 2008 <http://timesofindia.indiatimes.com/India/MEA_summons_Pak_high_commissioner_over_terror_attacks/articleshow/3781021.cms>.

123۔ دیکھیے Candace Rondeaux کی خبر

"Pakistan Offers to Join with India in Investigating Mumbai Massacre," Washington Post, December 3, 2008

MashalBooks.org

<http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/article/2008/12/02/AR2008120201120.html>.

124۔ دیکھیے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی خبر

"FBI Files Case in Mumbai; Assists Sleuths in Breaking Codes," India Journal,December 5, 2008 <http://www.indiajournal.com/pages/event.php?id=5261>.

125۔ دیکھیے Rama Lakshmi اور Emily Wax کا مضمون

"As Rice Presses Pakistan, Tens of Thousands Take to Streets in Mumbai," Washington Post, December 4, 2008 <http://articles.timesofindia.indiatimes.com/2008-12-06/pakistan/27928790_1_mumbai-terror-attacks-rice-condoleezza-rice-terror-strikes>.

126۔ دیکھیے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی اشاعت

"Mumbai attack: Rice asks Pak to act urgently, else US will act," Times of India,December 6, 2008 <http://timesofindia.indiatimes.com/articleshow/msid-3801376,prtpage-1.cms>.

127۔ دیکھیے Candace Rondeaux کی خبر

"Suspected Planner of Attacks in Mumbai is Seized in Raid," Washington Post, December 9, 2008, <http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/article/2008/12/08/AR2008120800331.html>.

128۔ دیکھیے باقر علی سید کی ڈان کی خبر

"Extradition demand rejected in response to demarche," December 9, 2008, <http://archives.dawn.com/2008/12/09/top3.htm >.

129۔ ممنوعہ تنظیموں کی مکمل فہرست جاننے کے لیے دیکھیے ویب سائٹ

<http://www.un.org/sc/committees/1267/consolist.shtml>.

130۔ دیکھیے Blackwill کی کتاب

"The Lessons of Mumbai," p. 17.

131۔ دیکھیے جیوٹی وی کی خبر

"No evidence of Pak involvement in 26/11 fallout: Zardari," Dec 18, 2008, <http://www.geo.tv/12-18-2008/30883.htm>.

MashalBooks.org

132۔ دیکھیے زی نیوز کی خبر

"Global community should do 'much more' to tackle terror: Pranab,"Dec 22, 2008,<http://www.zeenews.com/news493041.html>.

133۔ دیکھیے Candace Rondeaux کی خبر

"Pakistan Cites Airspace Breach," Washington Post, December 14, 2008, <http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/article /2008/12/13/AR2008121301311.html>.

134۔ دیکھیے راما لکشمی کی خبر

"Pakistani Jets Scramble as India Hardens Tone," Washington Post, Dec 23, 2008<http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/ article/2008/12/22/AR2008122202024.html>.

135۔ سوجان دتہ کی سٹوری

"Unguided Missiles in War of Words," The Telegraph (Kolkata), Decr 24, 2008
<http://www.telegraphindia.com/1081225/jsp/frontpage/story _10299108.jsp>.

136۔ دیکھیے Richard A. Oppel Jr اور سلمان مسعود کا مضمون

"Pakistan Moves Troops Amid Tension With India," New York Times, December 26, 2008,
<http://www.nytimes.com/2008/12/27/world/asia/27pstan.html>.

137۔ دیکھیے دی نیوز کی خبر

"Pak-India tension: troops leave cancelled,"December 26, 2008, <http://www.thenews.com.pk/updates.asp?id=63264>

اور پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے دی گئی خبر

"War clouds hover along border," O Herald, December 20, 2008
<http://oheraldo.in/pagedetails.asp?nid=14341&cid=2>.

138۔ دیکھیے ایکسپریس انڈیا کی خبر

"India not building up troops, as Pak toes anti-war line," December 27, 2008
<http://www.expressindia.com/latest-news/India-not-bu ilding-up-troops-as-Pak-toes-antiwar-line/403618/>.

139۔ دیکھیے Blackwill کی کتاب

"The Lessons of Mumbai," p. 12

MashalBooks.org

140۔ دیکھیے Siddharth Varadarajan اور Sandeep Dikshit کی دی ہندو کی خبر
"No dilution of position, says Pranab," January 2009
<http://www.hindu.com/2009/01/17/stories/2009011757680100.htm>.

141۔ دیکھیے سعید شاہ کی دی گارڈین میں شائع ہونے والی خبر
"Pakistan dismisses Indian dossier on Mumbai attacks," January 14, 2009
<http://www.guardian.co.uk/world/2009/jan/14/mumbai-terror-attacks-india-pakistan>.

142۔ دیکھیے سلمان مسعود کی نیو یارک ٹائمز کی سٹوری
"Pakistan Says 124 Arrested in Mumbai Investigation," January 15,2009,
<http://www.nytimes.com/2009/01/16/world/asia/16pstan.html>.

143۔ دیکھیے BBC News کی خبر
"Surviving Mumbai gunman convicted over attacks," May 3, 2010
<http://news.bbc.co.uk/2/hi/8657642.stm>
اور دیکھیے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے دی ہندو کی خبر
"Headley's plea bargain will not affect 26/11 trial: Nikam," March 18, 2010
<http://www.thehindu.com/news/national/article257283.ece>.

144۔ دیکھیے Associated Press کے حوالے سے CBSNews.com کی خبر
"No Breakthrough In India-Pakistan Talks," February 6, 2011
<http://www.cbsnews.com/stories/2011/02/06/ap/asia/main7323633.shtml>.

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 2

پاک بھارت پر امید سفارتکاری کی راہ میں حائل عناصر اور ہلاکت خیز حملے

نیتھن کوہن

1۔ Deutsche Press-Agentur کی اکتوبر 18, 1998 کی اشاعت
"India-Pakistan talks end with fond hopes but no breakthrough,"

2۔ دی ہندو کی نومبر 18, 1998 کی خبر
"India, Pak. Need More Time to Thrash Out Issues,"

3 ۔ بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی جنوری 17, 1999 خبر
"India-Pakistan Secretary-Level Talks on Kashmir To Be Held Mid-February"

4۔ Kenneth Cooper کا واشنگٹن پوسٹ میں فروری 21, 1999 کا مضمون
"India, Pakistan Kindle Hope for Peace; Leaders Meet Near Border After Symbolic Bus Trip, Pledge to Resolve Disputes,"

5۔ بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی مارچ 19, 1999 کی خبر
"India and Pakistan Agree on Action Plan for Dialogue,"

6۔ بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی مارچ 20, 1999 کی خبر
"India, Pakistan Agree "Concrete Measures" To Implement Lahore Declaration,"

7۔ بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی اپریل 18, 1999 کی خبر
"Pakistan: Prime Minister wants to solve issues with India through Dialogue,"

8۔ بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی اپریل 24, 1999 کی خبر
"India: dialogue with Pakistan postponed indefinitely due to government turmoil,"

9۔ "1999 Kargil Conflict,"
<http://www.globalsecurity.org/military/world/war/kargil-99.htm>.

10۔ Agence France Presse کی جولائی 27, 2001 کی خبر

MashalBooks.org

"Indian foreign minister receives invitation to visit Pakistan,"

11۔ راہول بید یکی دی ڈیلی ٹیلی گراف, جولائی 30, 2004 کی خبر

"Indian leader plans fresh peace quest to Pakistan,"

12۔ Xinhua کی اگست 11, 2004 کی خبر

"India, Pakistan Hold Talks Without Setting Date for Next Summit,".

13۔ بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی ستمبر 6, 2001 کی خبر

"Indian Prime Minister Says Talks Could Lead To Settlement With Pakistan,"

14۔ بی بی سی نیوز کی نومبر 25, 2002 کی خبر

"Pakistan blamed over Kashmir temple raids,"
<http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/2510141.stm>.

15۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا، اکتوبر 8, 2004

"Pakistani President, Indian Premier in Telephone Contact on Regional Tension,"

16۔ دیکھیے Celia Dugger، نیو یارک ٹائمز، اکتوبر 9, 2004 کی اشاعت

"Pakistan Asks India to Revive Talks Aimed at Bringing Peace to Kashmir,"

17۔ دیکھیے BBC Monitoring South Asia، نومبر 25, 2001 کی اشاعت

"Pakistan welcomes Vajpayee's willingness for talks with Musharraf,"

18۔ دیکھیے بی بی سی نیوز، نومبر 25, 2002 کی اشاعت

"Pakistan blamed over Kashmir temple raids,"
<http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/2510141.stm>.

19۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا، اپریل 27, 2006 کی اشاعت

"Pakistan, India conclude talks on confidence-building measures,"

20۔ دیکھیے Financial Express کی مئی 3, 2006 کی اشاعت

"India, Pakistan to Launch Another Bus Service,"

21۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا, مئی 24, 2006 کی اشاعت

"Pakistan, India agree to continue talks in "phased manner" - statement,"

22۔ دیکھیے Muzamil Jaleel، Indian Express، مئی 26, 2006 کی اشاعت

"First in J&K: a Five-group plan,"
<http://www.indianexpress.com/news/first-in-j&k-a-five-group-plan/5189/>.

23۔ دیکھیے Asia Pulse کی جون 1, 2006 کی اشاعت

MashalBooks.org

"India, Pakistan reach agreement on imports from Kashmir,".

24۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا، کی مئی 31, 2006 کی اشاعت

"Pakistan, India agree to free fishermen, civilian prisoners,"

25۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا، کی جون 18, 2006 کی اشاعت

"Pakistan PM urges India to hold "result-oriented" talks on Kashmir,"

26۔ دیکھیے CNN, کی ستمبر 30, 2006 کی خبر

"India police: Pakistan spy agency behind Mumbai bombings,"
<http:/articles.cnn.com/2006-09-30/world/india.bombs_1_students-islamic-movement-pakistan-spy-agency-indianpolice?PM:WORLD#>.

27۔ دیکھیے The ، Somini Sengupta نیو یارک ٹائمز کی Dec 6, 2006 کی اشاعت

"Pakistani Says Concessions Could Produce Kashmir Pact,"

28۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی December 18, 2006 کی اشاعت

"Pakistan, India said ready to liberalize visa policy,

29۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی December 20, 2006 کی اشاعت

"Pakistan president says "favourable progress" on Kashmir expected,"

30۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی December 21, 2006 کی اشاعت

"Indian PM backs Kashmir proposals, friendship treaty with Pakistan,"

31۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی December 22, 2006 کی اشاعت

"Pakistan frees 70 Indian prisoners as talks held on disputed creek - PTI."

32۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی December 22, 2006 کی اشاعت

"Pakistan, India satisfied on progress in Sir Creek talks,"

33۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی December 27, 2006 کی اشاعت

"Pakistan naval chief expects amicable solution of Sir Creek dispute with India,"

34۔ دیکھیے The Statesman (India) کی جنوری 14, 2007 کی اشاعت

"India, Pakistan Agree to Push Dialogue,"

35۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی جنوری 15, 2007 کی اشاعت

"Indian PM says progress made with Pakistan over Siachen issue,"

36۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی جنوری 25, 2007 کی اشاعت

"Pakistan PM sends greetings to Indian counterpart on Republic Day,"

MashalBooks.org

37۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی فروری 2, 2007 کی اشاعت
"Pakistan president says peace process with India making progress,"

38۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کیفروری 14, 2007 کی اشاعت
"India to raise issue of cross-border infiltration in talks with Pakistan,"

39۔ دیکھیے Xinhua General News Service کی فروری 17, 2007 کی اشاعت
"Pakistan, India to sign deal on reducing Nuclear accident risks,"

40۔ دیکھیے بی بی سی نیوز کی فروری 19, 2007 کی خبر
"Dozens dead in India train blasts,"
<http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/6374377.stm>.

41۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی مئی 11, 2008 کی خبر
"Pakistan, India to discuss "Kashmir-specific" measures in ministerial meeting,"

42۔ دیکھیے دی ٹائمز آف انڈیا کی مئی 14, 2008 کی اشاعت
"80 killed, 150 wounded in Jaipur blasts,"
<http://articles.timesofindia.indiatimes.com/2008-05-14
/india/27765805_1_tripolia-bazar-jaipur-blasts-serial-blasts>.

43۔ دیکھیے Nirupama Subramanian کی دی ہندو میں شائع شدہ مئی 21, 2008 کی خبر
"India, Pakistan agree on Kashmir-specific CBMs,"
<http://www.hindu.com/2008/07/19/stories/2008071960181200.htm>

44۔ دیکھیے Heather Timmons کا نیو یارک ٹائمز میں مئی 21, 2008 کی خبر
"Pakistan: High-Level Talks With India Resume,"

45۔ دیکھیے Manish Chand کی Thaindian News میں شائع ہونے والی مئی 21, 2008 کی خبر
"India, Pakistan ink deal on consular access for prisoners,"
<http://www.thaindian.com/newsportal/south-asia/india-pakistan-ink-deal-on-consular-access-forprisoners-lead-2_10051235.html>.

46۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی مئی 22, 2008 کی اشاعت
"Pakistani ready for "grand reconciliation" with India - foreign minister,"

47۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی جون 1, 2008 کی اشاعت
"India, Pakistan agree on Kashmir water project inspections - PTI,"

MashalBooks.org

47۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی جون 3, 2008 کی اشاعت

"Pakistan minister talks about "indications" of resolution of Kashmir issue,"

48۔ دیکھیے Xinhua کی جون 24, 2008 کی خبر

"Pakistan, India to share information to prevent terrorist acts," <http://news.xinhuanet.com/english/2008-06/24/content_8431476.htm>.

49۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی جون 28, 2008 کی خبر

"Pakistan foreign minister terms talks with Indian counterpart "cordial,"" .

50۔ دیکھیے عبدالوحید اور Alan Cowell کا نیو یارک ٹائمز میں شائع شدہ جولائی 7, 2008 کا مضمون

"Huge blast at Indian Embassy in Kabul kill 41" <http://www.nytimes.com/2008/07/07/world/asia /07iht-afghan.4.14305634.html>.

51۔ دیکھیے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے دی گئی ہندوستان ٹائمز کی ستمبر 24, 2008 کی خبر

"Manmohan-Zardari meet: Following is the text of the joint statement," <http://www.hindustantimes.com/storypage/Print.aspx?Id=93deb343-d1eb-419dbb46-f142ac0405cf>.

52۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی ستمبر 26, 2008 کی اشاعت

"Pakistan president-India PM meeting may have "lasting impact" on ties

53۔ بی بی سی نیوز کی اکتوبر 9, 2008

"Historic Kashmir delegation visit," <http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/7662029.stm>.

54۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی اکتوبر 11, 2008 کی اشاعت

"Pakistan security adviser visiting India, terror to dominate talks,"

55۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی اکتوبر 11, 2008 کی خبر

"India, Pakistan to hold talks on river water sharing conflict,"

56۔ دیکھیے عمر وڑائچ کا The Independent میں اکتوبر 22, 2008 کو شائع ہونے والا مضمون

"India and Pakistan reopen Kashmir trade route after six decades; Trade route opens across disputed border for first time since Partition,"

MashalBooks.org

57۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی اکتوبر 24, 2008 کی اشاعت
"Pakistan, India hold anti-terror talks"

58۔ دیکھیے بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا کی اکتوبر 25, 2008 کی خبر
"Indian, Pakistani premiers term terrorism "common enemy,""

59۔ دیکھیے Rediff کی نومبر 25, 2008 کی اشاعت
"Pakistan frees 101 Indian fishermen,"
<http://ia.rediff.com/news/2008/nov/25pakistan-releases-101-indian-prisoners.htm>.

60۔ دیکھیے Somini Sengupta، نیو یارک ٹائمز، نومبر 26, 1998 کی خبر
"At Least 100 Dead in India Terror Attacks,"
<http://www.nytimes.com/2008/11/27/world/asia/27mumbai.html>.

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 4

پاکستان میں ہونے والے بڑے ہلاکت خیز حملے

نیتھن کوہن

1۔ دیکھیے نیشنل کاؤنٹر سنٹر کی ویب سائٹ

<http://www.nctc.gov/>

اور ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل کی ویب سائٹ

<www.satp.org>.

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 5

جنوبی ایشیائی بحران میں چائنا کا کردار

ولیم شمر

1۔ 16 فروری 1990 کی بی بی سی کی خبر

China Pays Tribute to Pakistan's Position on Kashmir.

2۔ 20 فروری 1990 کی بی بی سی کی خبر

Chinese Defence Minister in Pakistan.

3۔ 5 مئی 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Chinese NPC Chairman in Pakistan.

4۔ 26 مارچ 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Chinese Foreign Minister Holds Talks with Indian Leaders, Ends Visit.

5۔ ایضا

6۔ 7 مئی 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Chinese NPC Chairman in Pakistan.

7۔ 9 مئی 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Bebum Nusrat Bhutto Suggests China Helps Negotiate Kashmir Talks.

8۔ 15 مئی 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Pakistan navy commander leaves for China visit.

9۔ 11 جون 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Pakistan-China agreement on tank manufacture.

10۔ 25 ستمبر 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Pakistan President Ends China Visit; Rules out War with India.

11۔ 25 مئی 1990 کی بی بی سی کی اشاعت

Senior Pakistani officer Musharraf arrives in Beijing.

اور فاروقی کا مقالہ

"Kargil White Paper," Balawaristan National Front.
<http://www.balawaristan.net/index.php/Kargil-White-Paper/kargil-white-paper-by-saddique-ul-farooque.html>.

MashalBooks.org

12۔ Xinhua نیوز ایجنسی 11 جون

Li Peng Meets Pakistan Foreign Minister

LexisNexis نیوز 11 جون 1999

China tells Pakistan to keep cool

The Gazette, June 11, 1999 کی اشاعت

China hoping to broker peace in India

Bhartendu K. Singh کا مضمون

"Chinese Views on the Kargil Conflict," Institute of Peace and Conflict Studies
<http://www.ipcs.org/article_details.php?articleNo=211>

Swaran Singh کا مضمون

"The Kargil Conflict:Why and Howof China's Neutrality," Institute for Defense Studies and Analysis
<http://www.idsa-india.org/an-oct9-3.html>.

15۔ ایضا

16۔ بی بی سی کی اشاعت 6 جولائی 1999

"Chinese support for Indian position on Kashmir seen as major policy shift,

17۔ Xinhua نیوز ایجنسی

"Pakistani president leaves Beijing for Xian,"

Malik, Mohan کا مضمون

; "The China Factor in the India-Pakistan Conflict," Parameters (Spring 200): 35-50. <http://www.carlisle.army.mil/usawc/parameters /Articles/03spring/malik.pdf>.

18۔ Xinhua نیوز ایجنسی 3 جنوری 2002

"Chinese premier, Pakistani president discuss South Asian crisis,"

19۔ The Straits Times 11 جنوری 2002 کی اشاعت

"Pakistan's new China jets 'not related to tension.."

20۔ Malik کی تصنیف

The China Factor in the India-Pakistan Conflict." p. 38.

MashalBooks.org

21۔ Jim Teeple کا مضمون World News Site, January 13, 2002

"China's Zhu Rongji Begins India Visit,"
<http://worldnewssite.com/News/2002/January/20020113-China-s.html>.

22۔ Malik کی کتاب

"The China Factor in the India-Pakistan Conflict," p. 37.

23۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 16 جنوری 2002 کی اشاعت

"China's Jiang Zemin discusses ties, Afghan issue with Pakistan military official,"

24۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 7 مارچ 2002 کی اشاعت

"Pakistan: Xinhua reports Chinese army delegation's meeting with president,"

25۔ Malik کی کتاب

"The China Factor in the India-Pakistan Conflict," p. 37.

26۔ Malik کی کتاب

"The China Factor in the India-Pakistan Conflict," p. 39

Xinhua نیوز ایجنسی، 15 مئی 2002 کی اشاعت

"Pakistani president, Chinese minister affirm ties, stance on South Asia peace,"

27۔ ایضاً۔

28۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 4 جون 2002 کی اشاعت

"Chinese president, Pakistani counterpart discuss Indo-Pakistani relations,"

29۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 5 جون 2002 کی اشاعت

"Chinese president meets Indian prime minister; promotes peace, dialogue,"

30۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 11 جون 2002 کی اشاعت

"China welcomes "easing" of India-Pakistan tensions,"

31۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 29 جون 2002 کی اشاعت

"Chinese foreign minister, Pakistani counterpart hold talks on ties, Kashmir,"

32۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 31 جولائی 2002 کی اشاعت

"China urges India-Pakistan talks on border tensions,"

MashalBooks.org

33۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 2 اگست 2002 کی اشاعت

"Chinese, Pakistani leaders discuss India-Pakistan tension,"

Xinhua نیوز ایجنسی، 5 جون 2002 کی اشاعت

"Jiang hopes for peaceful settlement of India-Pakistani dispute,"

34۔ پی ٹی آئی نیوز ایجنسی 23 ستمبر 2002

"Indian federal defence secretary holds talks with visiting Chinese general,"

35۔ Xinhua نیوز ایجنسی، 18 اکتوبر 2002 کی اشاعت

"China welcomes partial troop withdrawal by India, Pakistan,"

36۔ Malik کی کتاب

"The China Factor in the India-Pakistan Conflict," p. 40.

37۔ Xinhua English کی خبر

"Chinese, Pakistani FMs vow to advance bilateral ties, condemn Mumbai terrorist attack,"
<http://english.sina.com/china/2008/1130/201494.html>.

38۔ Saibal Dasgupta کا مضمون

"China quizzes Pakistan over Mumbai attack,"
<http://articles.timesofindia.indiatimes.com/2008-12-02/china/27925868_1_mumbai-attack-china-pakistan-terrorists>.

39۔ D S Rajan کا مقالہ

"China's Reaction to Mumbai Terror Strikes: Pro-Pakistan Bias?"
<http://www.southasiaanalysis.org/%5Cpapers30%5Cpaper2972.html>.

40۔ ایضا

41۔ چین میں بھارتی سفارت خانہ

"India-China Bileteral Defense Cooperation 2008-2009"
<http://www.indianembassy.org.cn/DynamicContent.aspx?MenuId=5&SubMenuId=0>.

42۔ Rajan کا مقالہ

"China's Reaction to Mumbai Terror Strikes: Pro-Pakistan Bias?"

43۔ بھارتی سفارت خانہ

"India-China Bileteral Defense Cooperation 2008-2009."

MashalBooks.org

44۔ Rediff، 5 جنوری 2009 کی اشاعت

"China mediating between India and Pakistan,"
<http://www.rediff.com/news/2009/jan/05mumattacks-china-mediating-between-india-and-pakistan.htm>.

45۔ قونصلیٹ جنرل آف PRC کلکتہ

"Chinese Vice Foreign Minister He Yafei, also Special Envoy of the Chinese Government, Visits Pakistan"
<http://kolkata.china-consulate.org/eng/zgbd/t529728.htm>.

46۔ ایضا

اور ڈیلی میل میں Caroline Graham کا مضمون

"India presents evidence that 'links Pakistan with Mumbai attacks,'"
<http://www.dailymail.co.uk/news/article-1105447/India-presents-evidence-links-Pakistan-Mumbaiattacks.html>.

47۔ بی بی سی کی 16 جنوری 2009 کی اشاعت

"Chinese president appreciates Pakistan's commitment to fight terrorism jointly,"

48۔ اکنامکس اور کمرشل قونصلرز آفس آف پی آر سی ان پاکستان

"Pakistani President Zardari's visit China 20-23 February,"
<http://pk2.mofcom.gov.cn/aarticle/bilateralvisits/200904/20090406174652.html>.

MashalBooks.org

ضمیمہ نمبر 6

10 ملک جو 2007 کے بعد وسیع پیمانے پر ہونے والے دہشت گرد حملوں میں سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔

نیتھن کوہن

1۔ دیکھیے ویب سائٹ

www.nctc.gov

MashalBooks.org